احکام زکوٰۃ
عالم فقری، ایم اے اسلامیات

نام کتاب ــــــــ احکام زکوٰۃ

مؤلف ــــــــ عالم حسین چیمہ المعروف عالم فقری

طبع اوّل ــــــــ جون ۱۹۸۶ء

تعداد ــــــــ ۱۰۰۰

مطبع ــــــــ

زیرِ نگرانی ــــــــ حاجی انور اختر

ناشر ــــــــ شبیر برادرز لاہور

قیمت ــــــــ /ـ روپے

تعارف

فاضل مؤلف جناب عالم فقری صاحب ان بلند پایہ اہلِ قلم حضرات سے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین دینِ اسلام کی خدمت بنا رکھا ہے۔ آپ کا نظریہ ہے کہ اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اسلام نے جو قواعد و ضوابط دیے ہیں۔ ان کا مکمل باضابطہ علم حاصل کیا جائے تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں اسلام پر عمل کیا جا سکے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر انہوں نے کچھ عرصہ پہلے اسلامی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ انہوں نے اسلامی علوم کو گیارہ شعبوں میں تقسیم کیا ہے جو انسانی زندگی کے ہر رخ کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی علم کے گیارہ شعبے حسبِ ذیل ہیں۔ ۱۔ اسلام کا نظامِ عقائد۔ ۲۔ اسلام کا نظامِ عبادت۔ ۳۔ اسلام [illegible]۔ ۴۔ اسلام کا نظامِ [illegible]۔ ۵۔ اسلام کا نظامِ [illegible]۔ ۶۔ اسلام کا نظامِ [illegible]۔ ۷۔ اسلام کا نظامِ [illegible]۔ ۸۔ اسلام کا نظامِ [illegible]۔ ۹۔ [illegible] کا نظامِ [illegible]۔ ۱۰۔ اسلام [illegible]۔ ۱۱۔ اسلام کا نظامِ [illegible]۔

قرآن ہماری زندگی کا ضابطہ حیات ہے اور اس میں مندرجہ بالا تمام شعبوں پر رہنمائی موجود ہے۔ اس کے بعد سُنّت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ لہٰذا آپ بنیادی طور پر اسلام کے تمام ماخذوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے بات کرتے ہیں۔ آپ نے اس سلسلے میں اسلام کے نظامِ عبادت پہ چند تصانیف کی ہیں جن میں احکامِ طہارت، احکامِ نماز، احکامِ روزہ اور اذکارِ قرآنی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ کتاب احکامِ زکوٰۃ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب

بڑی جامع ہے اس میں زکوٰۃ کے جدید مسائل پر بڑی کاوش اور محنت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس میں تمام قدیم اور جدید مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ زندگی جوں جوں ارتقائی مراحل طے کر رہی ہے معاشرہ میں کئی نئے تقاضے جنم لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر دورِ حاضر میں کمپنیوں پر زکوٰۃ کا مسئلہ۔ تو ایسی بہت سی صورتیں ہیں جن پر زکوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہے لیکن بہت سے حضرات مسائلِ جدیدہ سے لاعلمی کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ نہیں دیتے۔ لہٰذا اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ لوگ دینی مسائل سے واقفیت حاصل کر کے ان پر عمل کریں۔

دولت ایک آزمائش ہے کیونکہ جتنی زیادہ ہو اس کے صرف پر اللہ کی طرف سے اتنی ہی زیادہ پابندیاں ہیں لیکن انسان دولت کے حصول کے لیے تو ہر ممکن کوشاں ہے مگر اس پر اللہ کی عائد کردہ پابندیوں کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ زکوٰۃ تک نہیں دیتا، دراصل یہ اسلام سے بے رغبتی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اس فرض کی ادائیگی کے لیے اس کے نصاب کا علم رکھنا بہت ضروری ہے اس کتاب میں نصابِ زکوٰۃ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ہر الجھن کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ ہر عاقل بالغ مسلمان کے لیے لازم ہے تاکہ وہ زکوٰۃ کے مسائل سے باخبر ہو کر اس دینی فریضہ اور مالی عبادت کو بخوبی سرانجام دے سکے۔

زکوٰۃ کی اہمیت اور فرض ہونے کے پیشِ نظر اسے ہر صورت میں ادا کرنا چاہیے کیونکہ اس کی ادائیگی سے انسان کا مال پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نیک حضرات کو خود اس پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کو اس پر گامزن کرنے کی کوشش کرنی چاہیے آخر میں رب العزت کے حضور میری دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو راہِ ہدایت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حاجی انور اختر

امیر ادارہ پیغام القرآن چاہ میراں لاہور

مورخہ ۲۴ رجب ۱۴۰۶ھ

فہرستِ احکامِ زکوٰۃ

۱

حقیقتِ زکوٰۃ

یہ کرۂ ارض جس پر ہم رہ رہے ہیں، سالہا سال تک مخلوقِ خدا کا منتظر رہا۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ پھر اللہ نے حضرتِ انسان کو اپنی خلافت سے سرفراز کرکے اس جہانِ رنگ و بُو میں آباد کیا۔ رفتہ رفتہ نسلِ آدم میں اضافہ ہوا۔ خاندان اور قبائل وجود میں آگئے۔ معاشرتی زندگی کے پیچ و تاب شروع ہوئے۔ مسائلِ روزگار نے جنم لیا۔ حتیٰ کہ نسلِ آدم طعام و قیام کے دھندے میں اتنی گم ہوئی کہ اپنے خالقِ حقیقی کو بھول گئی۔ اللہ کو حضرتِ انسان کی حالتِ زار پر رحم آیا تو اس نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے اپنے پیغمبرؑ مبعوث فرمائے، جنھوں نے دنیا والوں کو راہِ حق کا ضابطۂ حیات دیا۔ اس ضابطۂ حیات میں ہمیشہ دو چیزیں نمایاں رہیں۔ پہلی یہ کہ حضرتِ انسان کسی حالت میں بھی اپنے خالقِ حقیقی کو نہ بھولنے پائے اور دوسری یہ کہ سرشتِ انسانی پیار کی داعی ہو۔ نسلِ آدم کا پیمانۂ اخوت و دردِ انسانی سے لبریز ہو۔ دُکھی انسانیت آپس میں ایک دوسرے کی چارہ ساز ہو۔ اب سوال اٹھا کہ انسانی فطرت میں یہ دونوں خوبیاں کیسے پیدا ہوں، تو میرے اللہ نے پیغمبرانِ حق کے ذریعے نماز اور زکوٰۃ کا فریضہ حضرتِ انسان کے ذمے لگایا۔

نماز یادِ الٰہی کا آئینہ ہے، اطاعتِ خداوندی کا زینہ ہے بلکہ مردِ مومن اور متقی کی تربیت کا ایسا ذریعہ ہے جو حضرتِ انسان کو عالی مرتبت انسان، دلنواز آدمی، غمگسار بندہ اور اچھا شہری بناتی ہے۔ نماز ہمیں اس قابل بھی بناتی ہے کہ ہم دنیاوی کام کاج میں مشغول ہو کر بھی اللہ کو یاد رکھیں اور ہمیشہ رحمتِ خداوندی کے مستحق رہیں۔

فریضۂ زکوٰۃ عائد کرنے کی مصلحت یہ تھی کہ مردِ مومن کی سیرت و کردار میں انسانی ہمدردی اور اخوت جلوہ گر رہے۔ معاشرتی زندگی کی تکالیف اور مصائب میں مال دار غریب کا غم

وہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں تو اللہ انہیں معاشرے میں منفرد مقام عطا کرتا ہے اور بے مثال عزت سے نوازتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ اس کے خاص بندے دوسرے لوگوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی سے پیش آئیں۔ جس طرح اللہ انسان کے ساتھ مہربان ہے، صاحب ثروت بھی ضرورت مندوں کے ساتھ مہربانی اور احسان کریں تاکہ اللہ نے جو ان پر احسان کیا ہے اس کا حق ادا ہو اور اس حق کے ادا ہونے سے ان کا مال پاک تصور کیا جائے۔

اس کے علاوہ زکوٰۃ انسان کے نفس کو دولت کی محبت سے پاک بھی کرتی ہے کیونکہ انسان جس ماحول اور معاشرے میں جنم پاتا ہے اس میں بہت جلد مال و زر کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور مال و زر کی محبت انسان کو اللہ کی محبت اور عشق رسول سے غافل کرتی ہے۔ اسی لیے تو اللہ کی محبت کو تقویت دینے اور دنیا کی محبت کا طلسم توڑنے کے لیے فریضہ زکوٰۃ ہے تاکہ انسان اللہ کی محبت کو دنیا کی ہر چیز سے مقدم رکھے اور یہی پاکیزگی نفس ہے۔ اسی پاکیزگی نفس اور مسلمانوں میں اچھے اوصاف پیدا کرنے کی غرض سے اللہ کی راہ میں مال دینے کو فریضہ زکوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کے لیے صدقہ کے لفظ کا استعمال

قرآن پاک میں کئی ایک مقامات پر زکوٰۃ کے لیے صدقہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے سورۂ توبہ میں ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔

تو اس آیت میں صدقہ کا لفظ زکوٰۃ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مگر اس کے علاوہ عموماً قرآن پاک میں صدقے کا لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب اللہ کی راہ میں دینے کے ہیں۔

صدقے کے معنی [illegible]

[illegible] چنانچہ اسلام میں ایسی دولت جو اجتماعی معاشرتی مفاد سے

ایسے کاموں پر خرچ ہو جو انسانوں میں ہمدردی پیدا کرنے کا موجب بنے، صدقہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ گویا صدقہ وہ چیز ہے جو انسان اپنے مال میں سے قربِ الٰہی کے حصول کی خاطر نکالتا ہے۔ مگر صدقہ کے معنی اور مفہوم زکوٰۃ کے شعبہ [illegible] کے اس کا اطلاق ایک خاص قسم کے صدقہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۲-۱ انبیائے حق اور فریضۂ زکوٰۃ

فریضۂ زکوٰۃ کی ابتدا کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آغازِ انسانیت ہی سے انبیائے حق کے کردار و عمل میں انفاق فی سبیل اللہ کا درس تھا اور ان کی زندگیوں میں اللہ کی راہ میں خیرات و صدقات دینے کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ بلکہ وہ تو اللہ کی راہ میں سب کچھ ہی قربان کر دیتے تھے۔ اور انھوں نے اپنی امتوں کو بھی اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرنے کی تعلیم دی۔ مگر وہ صدقہ خاص جس کے لیے زکوٰۃ کے لفظ کا اطلاق ہوا۔ اس کا آغاز ان انبیاء کے زمانہ سے ہوا جن پر صحائف اور کتب کا نزول ہوا کیونکہ ان کی تعلیمات میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور دیگر احکاماتِ شرعیہ ملتے ہیں۔ قرآن پاک میں اس امر کی تصدیق ملتی ہے کہ سابقہ انبیائے حق کی تعلیمات میں فریضۂ زکوٰۃ عائد تھا۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات میں فریضۂ زکوٰۃ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ انھوں نے اپنے دورِ نبوت میں توحید پر بہت زور دیا جب آپ کے پیروکار اور اولاد عقیدہ و توحید خداوندی سے مکمل بہرہ ور ہو گئی تو پھر احکامِ شرعیہ کا نزول ہوا جن میں نماز، زکوٰۃ وغیرہ شامل ہیں۔ سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد ان کو صالح اولاد عطا کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے انھیں پیشوا بنایا اور وہ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے تھے۔ اور ان کو حکم دیا کہ وہ نیک کام کریں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔

وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ (انبیاء: ۷۳)

اور ہم نے ان کی جانب وحی کی کہ وہ نیک کام کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسحٰق علیہ السلام، پھر ان کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ اس آیت میں علاوہ ابراہیمؑ کے سب کے لیے تاکید کی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو نیک کام کی تلقین کریں۔

۳۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زکوٰۃ کے بارے میں تاکید

حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے۔ ان کے بارے میں سورۂ مریم میں ذکر ہوا ہے۔ جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے اور وہ لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کیا کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۚ وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا (مریم: ۵۵)

اور کتاب میں حضرت اسماعیل کا بھی ذکر کیجیے۔ بیشک وہ وعدے کے سچے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے

۴۔ قوم موسیٰ علیہ السلام میں فریضۂ زکوٰۃ

تاریخی اعتبار سے قوم بنی اسرائیل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ قرآن میں ان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے اس قوم کو نصیحت کی کہ وہ نماز ادا کرتے رہیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ چونکہ اس میں ان کی فلاح تھی مگر بعد میں وہ اس پر عمل پیرا نہ رہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان کرنا،

وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۔ الخ

(پ ۱ البقرہ ۸۳)

اور لوگوں کو نیکی کی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا مگر تم نے منہ موڑ لیا مگر تھوڑے سے رہ گئے اور تم اعراض کرنے والے ہو۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ ۔

(پ ۶ المائدہ ۱۲)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرتے رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو سورۃ البقرہ کی آیت ۴۰ میں یاد دہانی کراتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی ہیں اور ان نعمتوں کے بدلے میں تم نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا تھا اسے پورا کرو۔ اس کے بدلے میں جو میرا عہد تمہارے ساتھ ہے وہ میں پورا کروں گا۔ اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور میں نے جو کتاب بھیجی ہے اس پر ایمان لاؤ اور قرآن پاک اس کی تائید میں ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے تم اس سے انکار کرنے والے نہ بنو۔ میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو۔ حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ جو لوگ میرے آگے جھکتے ہیں ان کے ساتھ جھک جاؤ۔

یہاں یہودیوں کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ دین اسلام قبول کر کے اس کے احکامات یعنی نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرو۔ جو اس سے قبل شریعت موسوی میں بھی تھے۔ ان کی مدد ان کے گناہوں کی معافی، ان کا جنت میں داخلہ اس بات سے وابستہ ہے کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ موجودہ دور کے یہودیوں کے لیے بھی یہی فلاح کا راستہ ہے کہ دین مصطفیٰ میں آجائیں اور اس دین کے شرعی احکامات کی پابندی کریں۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں زکوٰۃ رائج تھی۔ مگر بعد ازاں ان کے کاہنوں نے نظام زکوٰۃ میں خرابیاں پیدا کر لیں۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور زکوٰۃ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی زکوٰۃ دینے کا حکم تھا۔ حضرت

مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں بیان کرتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں، نماز قائم کروں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (پ ۱۶، مریم: ۳۱)

اور خدا نے مجھ کو زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کی ہے۔

۵۔ شریعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور زکوٰۃ

الغرض زکوٰۃ کے بارے میں پیغمبرانِ حق کے زمانہ میں جو احکامات تھے وہ ان کے زمانہ کے ساتھ مختص تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے زمانہ میں دولت زیادہ تر پیداوار اور جانوروں کی صورت میں تھی۔ سونا چاندی اور اس کے سکوں کی کمی تھی۔ اس لیے ان کے زمانہ میں زیادہ تر احکامات پیداوار اور جانوروں تک محدود رہے۔ ان کا طریقہ نصاب بھی مختلف تھا۔ اس کے بعد جب عیسوی دور آیا تو اس میں کوئی خاص نظام اور اصول مقرر نہ کیا گیا اور نہ ہی ہر شخص پر قانونا کوئی مقررہ نصاب تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ خدا کی راہ میں لٹا دے۔

انسان کی یہ ایک فطری جبلت ہے کہ کچھ عرصہ اپنے انبیاء کی تعلیم اور رشد و ہدایت پر عمل کر کے ترک کر دیتا تھا۔ آخر کار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک ایسی جہالت کا ایسا دور آیا جس میں لوگ اللہ کو بھول گئے، توحید کا راستہ چھوڑ گئے۔ اور شیطانی قوت پورے زوروں پر پہنچ گئی۔ لوگ زکوٰۃ دینے کی طرف کیونکر راغب ہوتے انھوں نے تو کفر و شرک کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ایک خدا کی بجائے بتان و ہمرگمان کی پرستش کرتے تھے۔ ان حالات میں شرعِ محمدی نے انسانی تقدیر بدل دی۔ زندگی کے ہر پہلو پر ایک مکمل ضابطہ دیا۔ جو اسلامی شریعت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ حیاتِ مسلم کو زیورِ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے آراستہ کیا۔

۳۔ قرآن میں زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے حکم پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حکم معاشرہ میں جسمانی اور مالی عبادت کا لازمی جزو ہیں۔ یہی وجہ ہے [illegible] نماز کا شمار حقوق اللہ میں ہوتا ہے اور زکوٰۃ کا شمار حقوق العباد میں ہے۔ اس لیے ان دونوں کا حکم اکثر مقامات پر ساتھ ساتھ ہے۔

(۱) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (پ ۱۔ بقرہ: ۴۳)
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

(۲) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (پ ۱۔ بقرہ: ۱۱۰)
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اپنے لیے جو بھلائی تم آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ بیشک اللہ جو تم کرتے ہو، دیکھتا ہے۔

(۳) فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا (سورۃ حج ۷۸)
پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کی ہدایت کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

(۴) فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (پ ۲۸۔ المجادلہ ۱۳)
پھر نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو، جانتا ہے۔

(۵) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (پ ۱۸۔ النور: ۵۶)
اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور رسول پاک کی اطاعت کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۶) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور

وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (مزمل ۲۰)	اللہ کو قرضِ حسنہ دو
(۵) إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ (توبہ ۱۸)	بیشک اللہ کی مساجد میں ان لوگوں کو صاحب تب ہونا چاہیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھیں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔

ان آیات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ قرآن پاک میں نماز کو قائم کرنے کے ساتھ زکوٰۃ دینے کا ذکر بھی کثرت سے آیا ہے۔ دراصل نماز کا مطلب اللہ کے حضور حاضری ہے۔ اسی لیے تو اسے معراج المومنین کہا گیا ہے۔ اس حاضری کا منشاء یہ ہے کہ انسان اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے، اس کی پاکیزگی کا اعتراف کرے اور دنیا کے کام میں مشغول ہوتے ہوئے بھی اپنے مالک اور خالق کو نہ بھولے۔ یہی وجہ ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ حاضری رکھی گئی ہے تاکہ نماز کے بعد انسان اپنی حاجات اور ضروریات کو اللہ کے دربار میں پیش کرے۔ فراخیِ رزق، کاروبار، تجارت اور ذرائع آمدنی میں فروغ کی دعا کرے۔ یاد رکھیں کہ اللہ کے حضور عاجزی سے اٹھے ہوئے ہاتھ کبھی خالی نہیں لوٹتے۔ اللہ ایسی عاجزی کو پسند کرتے ہوئے بندوں کی حاجات پوری کرتا ہے۔ اور ان کے مال و دولت میں خیر و برکت ڈالتا ہے۔ پھر یہ چاہتا ہے کہ میرے بندے نے جو مال و زر میرے لطف و کرم سے حاصل کیا ہے اس میں سے ایک معمولی سی مقدار میرے نام پر اپنے دوسرے بھائیوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں تاکہ جن کی روزی حکمتِ خداوندی کے تحت قلیل ہے وہ بھی حیات کے دن کے شب و روز آسانی سے گزار سکیں۔ اور اس مالی عبادت کے صلہ میں اللہ زکوٰۃ دینے والوں کو اور مال دیتا ہے۔

اللہ اپنے بندوں پر اتنا لطف و کرم فرماتا ہے کہ مذکورہ بالا آخری آیت میں کہا گیا کہ جو مال بطور زکوٰۃ تم اپنے مسلمان بھائیوں کو دو گے یعنی عزیز و اقارب کی دستگیری کرو گے وہ دراصل اللہ پر قرضِ حسنہ ہے۔ اور اس قرضِ حسنہ کے عوض میں اللہ ان کو اپنی راہ میں خرچ کیا ہوا مال کئی گنا زیادہ کر کے لوٹاتا ہے۔ یہ کتنی فیاضی اور دریا دلی کا ثبوت ہے کہ ہم اس دنیا میں اپنے بھائیوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں اور اس کا معاوضہ اللہ کی

ذات ہے۔ جو اللہ کی راہ میں دو گے، اسے تم اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا معاوضہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بخشش کی صورت میں عطا کرے گا۔

ایک اور نکتہ یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دیتا ہے اللہ اسے بخوبی جانتا ہے جو مالِ رکھ کر اور صاحبِ نصاب ہو کر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اللہ اسے بھی جانتا ہے یعنی جو ہم پر فرض عائد ہوتا ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ اور جو انسان عمل کرتا ہے وہ بھی ذرہ ذرہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے اور اللہ ہماری ان نیتوں سے بھی باخبر ہے، جس کے تحت ہم زکوٰۃ دیتے ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کو اسلامی معاشرہ میں مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اور تمام اسلامی امور مسجد ہی میں طے پاتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انہی لوگوں کو مسجد کے انتظام اور دوسرے امور میں حکمرانی چلانے کا حق حاصل تھا جو احکاماتِ خداوندی پر خود عمل کرتے تھے۔ خود نماز قائم کرتے تھے۔ اور زکوٰۃ دیتے تھے اور دوسروں کو ایسا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مساجد میں ایسے شخص کو حکم چلانے کا کوئی حق حاصل نہیں جو نماز اور زکوٰۃ پر خود عمل نہ کرتا ہو۔ مگر مسجد کی تولیت سنبھالے رکھے۔

اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مشرکین مکہ خانۂ خدا کے مجاور بنے ہوئے تھے اور خود نہ نماز پڑھتے تھے اور نہ زکوٰۃ دیتے تھے تو اللہ نے ان کے اس فعل کی تردید کی کہ تمہیں ایسی مجاوری کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ تم تو خود اللہ کے دین کے پابند نہیں ہو۔ اس لیے خانۂ خدا میں تمہیں حکم چلانے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں۔

اس آیت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکمرانی کا اختیار ہو انھیں صاحبِ ایمان اور احکاماتِ الٰہیہ یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور دوسرے معاملات میں پابند ہونا چاہیے۔

۴- احادیث اور حکمِ زکوٰۃ

قرآنی آیات کے علاوہ احادیث میں زکوٰۃ کا حکم متعدد بار موجود ہے بلکہ زکوٰۃ کے مفصل احکامات ہی احادیث میں ہیں۔

۱- حضرت معاذؓ کو یمن بھیجنے والی روایت

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن بھیجا گیا تو انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی کہ وہ یمن میں جا کر لوگوں کو بتائیں کہ ان پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے لہٰذا وہ زکوٰۃ ادا کریں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اِنَّکَ تَاْتِیْ قَوْمًا اَھْلَ کِتَابٍ فَادْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ وَاتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا تو ایک قوم اہل کتاب کے پاس جاتا ہے۔ ان کو اس بات کی گواہی کی طرف بلا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر انھوں نے اس کو مان لیا تو ان کو خبر دے، تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ ان کے مالداروں سے لی جائے اور ان کے فقیروں پر تقسیم کی جائے۔ اگر اس کو مان لیں تو ان کے اچھے مال سے بچ۔ اور مظلوم کی دعا سے ڈر اس لیے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ نہیں ہوتا۔ (بخاری شریف)

اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ زکوٰۃ فرض کی گئی ہے کیونکہ حدیث کے متن میں فرض کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۲۔ زکوٰۃ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تو اس میں بھی زکوٰۃ دینے کا حکم ہے اور خطبہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ آگاہ رہو تم میں سے جو شخص کسی ایسے یتیم کا والی ہے جس کے پاس مال ہو، وہ اس سے تجارت کرے اور اس کو ایسے ہی نہ چھوڑے کہ اس کو زکوٰۃ کھا جائے (ترمذی)

۳۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے متعلق حضرت عمرؓ کا واقعہ

فرضیت زکوٰۃ کے متعلق حضرت عمرؓ کا واقعہ یوں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ عُمَرُ أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّهُ كَبُرَ عَلَى أَصْحَابِكَ هَذِهِ الْآيَةُ فَقَالَ إِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں" تو یہ آیت مسلمانوں پر بھاری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تم سے اس فکر کو دور کرتا ہوں تو حضرت عمرؓ گئے اور کہا اے نبی اللہ! یقیناً یہ آیت آپ کے صحابہ پر بھاری ہوئی ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض نہیں کی مگر صرف اس واسطے کہ مال کو پاک کرنے کے لیے اور میراث اس لیے فرض کی ہے اور آپ نے یہاں ایک کلمہ ذکر

لِتَكُونَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ.

کیا ہے تاکہ تمہارے بعد آنے والوں کو مل سکے۔ راوی نے کہا یہ سن کر حضرت عمر نے تکبیر کہی پھر حضرت نے عمر سے فرمایا: کیا میں تجھے سب سے بہترین خزانہ نہ بتا دوں؟ جسے مرد جمع کرے، وہ نیک بخت عورت ہے جب شوہر دیکھے تو خوش کرے جب اسے حکم کرے تو عورت اس کی فرمانبرداری کرے اور جب شوہر غائب ہو تو عورت اس کی حفاظت کرے (ابوداؤد)

۴. حضرت ام سلمہؓ کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی۔ اس کے متعلق حدیث یہ ہے:۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَكَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكٰوتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ.

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے سونے کی بالیاں پہنی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا جو زکوٰۃ کے نصاب تک پہنچ جائے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ وہ کنز نہیں ہے (مالک، ابوداؤد)

۵. حضرت انسؓ کی بیان کردہ روایت

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ میں زیادتی کرنے والا اس کے روک رکھنے والے کی طرح ہے (ترمذی)

یہ تمام احادیث زکوٰۃ ادا کرنے کے حکم پر دلالت کرتی ہیں اور ان احادیث سے زکوٰۃ کا فرض ہونا بھی ثابت ہے۔

۲

فرضیتِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے طور پر اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام نے غریبوں کی دستگیری کا درس دیا۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جبکہ اسلام کی دعوت دی جا رہی تھی اور اہل مکہ سخت مخالفت پر کمربستہ تھے۔ اور جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان پر ظلم و ستم کیے جا رہے تھے لیکن جتنے بھی مسلمان ہوئے تھے اور جو ہو رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا تاکہ مسلمانوں میں بھائی چارہ فروغ پائے۔ اور امیر لوگوں کے رزق کی فراوانی غریبوں کے کام آئے۔ اس لیے قرآن پاک میں اس امر پر خاصا زور دیا گیا ہے کہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کی جائے۔

(۱) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۞ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۞ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۞ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۞ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۞ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۞ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۞ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۞ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۞ (المدثر: ۳۸ تا ۴۶)

ہر شخص اپنے عملوں کے بدلے، دائیں بازو والوں کے سوا گروی ہے جو جنتوں میں ہوں گے۔ اہل جنت مجرموں سے پوچھیں گے، کونسی چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے اور روز جزا کو جھٹلایا کرتے تھے۔

(۲) أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۞ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۞ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۞ (الماعون: ۱ تا ۳)

تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ترغیب نہیں دیتا۔

(۳) إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ (الحاقہ: ۳۳، ۳۴)

بے شک وہ عظیم اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔

(۴) إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ (المعارج: ۱۹ تا ۲۵)

بے شک انسان بڑا لالچی پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ سوائے ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں، جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقررہ حق ہے۔

(۵) يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ (البقرہ: ۲۱۵)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لیے ہے اور جو نیکی کرو، بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔

(۶) وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۶)

اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے۔ اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دے۔ اور فضول خرچی نہ کر۔

ان آیات میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ رشتہ داروں، غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کی مدد کی جائے۔

حضرت میمون بن مہرانؒ روایت فرماتے ہیں کہ دوپہر کے وقت ایک درخت کے سائے میں حضرت عمرؓ قیلولہ فرما رہے تھے۔ اچانک ایک دیہات کی عورت نے لوگوں کو

غور سے دیکھا اور آپ کے پاس آئی۔ اور اس نے کہا۔ میں ایک مسکین عورت ہوں اور
میرے کئی بچے ہیں۔ اور امیر المومنین حضرت عمرؓ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو زکوٰۃ کی
وصولیابی کے لیے بھیجا تھا انھوں نے ہم کو کچھ نہیں دیا۔ شاید کہ اللہ پاک آپ پر رحم
کرے اگر آپ ہمارے لیے حضرت عمرؓ سے سفارش کر دیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے
یرفاؓ کو آواز دی کہ محمد بن مسلمہؓ کو بلاؤ۔ اس عورت نے کہا کہ میری حاجت کی کامیابی
تو اس میں ہے کہ تم میرے ساتھ ان کی طرف چلو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ان شاء اللہ ایسا
بھی ہو جائے گا۔ یرفاؓ محمد بن مسلمہؓ کے پاس پہنچے تو عرض کیا کہ امیر المومنینؓ کے
پاس چلو۔ چنانچہ محمد بن مسلمہؓ گئے اور کہا السلام علیکم یا امیر المومنین! یہ دیکھ کر عورت حضرت
عمرؓ سے جھینپ گئی۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ سے فرمایا کہ میں اس امر میں کوتاہی نہیں کرتا
کہ تم میں سے بھلے سے بھلے کو چنتا ہوں۔ جب خدا تم سے اس عورت کے بارے میں
پوچھے گا تو کیا کہو گے۔ یہ سن کر محمد بن مسلمہؓ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ہم لوگوں
نے آپ کی تصدیق کی۔ اور آپ کا اتباع کیا۔ آپ نے ہر اس چیز پر عمل کر کے دکھایا
جس کا کہ اللہ پاک نے آپ کو حکم دیا تھا۔ آپ صدقہ اہل صدقہ یعنی مساکین کو برابر
دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ کو اسی حالت پر وفات دی۔ پھر حضورؐ
کے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ ہوئے وہ حضورؐ کی سنت پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ
اللہ پاک نے ان کو وفات دی۔ پھر اللہ پاک نے مجھ کو خلیفہ بنایا۔ میں نے تم ہی سے
بھلے کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کی۔ اگر میں تم کو بھیجوں، تم اس عورت کو اس سال کا
اور پچھلے سال کا صدقہ ادا کرنا اور میں نہیں جانتا شاید کہ تمہیں بھیجوں۔ پھر اس عورت
کے لیے بوری منگائی اور وہ آٹا بھری ہوئی بوری اور تیل اس عورت کو دیا اور فرمایا
تو اسے لے جا اور تو ہم سے خیبر میں ملنا۔ ہم خیبر کا ارادہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ
عورت آپ کے پاس خیبر میں آئی اس کے لیے آپ نے دو بوریاں اور منگائیں اور
اس سے کہا کہ انہیں لے لے۔ اس میں تیری اس وقت تک کی بسر اوقات ہے کہ محمد بن مسلمہؓ

تو لوگوں کے پاس آئیں۔ میں انھیں حکم دے چکا ہوں کہ وہ تجھے اس سال کا بھی اور پہلے سال کا بھی تیرا حق دیں۔

اسلمؓ فرماتے ہیں: میں حضرت عمرؓ کے ساتھ بازار گیا۔ حضرت عمرؓ سے ایک نوجوان عورت ملی اور اس نے کہا اے امیر المؤمنین! میرا شوہر وفات پا چکا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے۔ خدا کی قسم: ان کے لیے بکری کے پائے تک پکانے کو میسر نہیں۔ نہ ان کے لیے کھیتی ہے اور نہ ان کے لیے دودھ کا جانور اور مجھے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ انھیں قحط سالی کھا جائے اور میں خفافؓ بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ صلح حدیبیہ میں حضورؐ کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ اس عورت کے ساتھ کھڑے رہے اور آگے نہیں بڑھے۔ اس کے بعد آپ نے کہا بڑی خوشی کی بات ہے قریب ہی کا نسب نکل آیا۔ اس کے بعد اپنے مضبوط پیٹھ والے اونٹ کی طرف واپس ہوئے جو گھر میں بندھا ہوا تھا۔ اور اس اونٹ پر دو بڑے بڑے تھیلے کھانے سے بھر کر لادے۔ اور ان دونوں کے بیچ میں اور سامان خرچ اور کپڑا رکھا، پھر اس کی نکیل اس عورت کے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا اسے کھینچ لے جا، یہ ختم نہ ہونے پائے گا یہاں تک کہ اللہ پاک اور مال لے آئے گا۔ ایک آدمی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ نے تو اسے بہت دیا۔ آپ نے فرمایا تجھے تیری ماں گم کرے اس کا باپ حدیبیہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ خدا کی قسم: میں نے اس عورت کے باپ اور اس کے بھائی کو دیکھا، جنھوں نے ایک قلعہ کا عرصہ تک محاصرہ کیا، پھر ہم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ پھر صبح کے وقت ہم لوگوں نے مال غنیمت سے اپنے حصے لیے۔

۱۔ مکی دور میں زکوٰۃ کی ترغیب

مکی دور میں غریبوں اور مسکینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ قرآن پاک سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ اس دور میں زکوٰۃ دینے کی رغبت بھی دلائی گئی ہے۔ کیونکہ مکی دور کی سورتوں میں لفظ زکوٰۃ کا عام استعمال ہوا ہے لیکن اس دور میں

وراثت کی صورت اختیار نہ ہوئی۔ مکی دور کی چند سورتیں جن میں زکوٰۃ کا لفظ استعمال کر کے حقداروں کو مال و دولت سے حق دینے کی رغبت دلائی گئی ہے، حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (پ ۔ المزمل : ۲۰)

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہ کو اچھا قرض دو اور اپنے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر اور اجر عظیم کی صورت میں پاؤ گے۔ اور اللہ سے بخشش طلب کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۲) هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ (پ ۔ لقمان : ۳،۴)

ہدایت اور رحمت نیکوکار لوگوں کے لیے ہے جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور آخرت پر یقین لائیں۔

(۳) وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (پ ۔ المومنون : ۴)

اور جو زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔

(۴) وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ۝ (پ ۔ الروم : ۳۹)

اور تم جو چیز سود پر دو کہ لوگوں کے مال بڑھیں تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی رضا کے لیے دو تو انہیں کے دوگنے ہیں۔

(۵) طس ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم

یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب مبین کی، ہدایت اور بشارت ان ایمان لانے والوں کے لیے جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور پھر وہ ایسے

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ (نمل: ۱تا ۳) لگ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

ان آیات میں لفظ زکوٰۃ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مکی دور میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں زکوٰۃ کو علامتِ ایمان قرار دیا ہے۔ یعنی بیان ہوا ہے کہ زکوٰۃ دینا مومنین، متقین اور محسنین کی بنیادی صفت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید ہے جو طلوعِ اسلام کے بعد اسلام کے ابتدائی ایام میں شروع ہو گئی تھی۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ بعثت کے پانچویں سال مسلمان ہجرت کر کے حبشہ میں گئے تھے۔ کفارِ قریش پر جب نجاشی شاہِ حبشہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر اسلام کی حقیقت اور اس کی تعلیمات دریافت کیں تو حضرت جعفرؓ نے اس کے جواب میں جو تقریر کی اس میں انھوں نے بتایا کہ پیغمبر ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا آغاز ابتدائے اسلام ہی سے ہو چکا تھا لیکن نصابی صورت بعد میں اختیار ہوئی۔

۲۔ مدنی دور کی آیات میں فرضیتِ زکوٰۃ کا ذکر

قرآن مجید کی وہ آیات جن میں زکوٰۃ کا ذکر ہے اور وہ مدنی دور سے متعلق ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ ان آیات ہی سے زکوٰۃ کی فرضیت کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان آیات کی وضاحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہوتی ہے جس میں نصاب کا ذکر ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مدنی دور کی آیات کے نزول کے بعد زکوٰۃ کی فرضیت لازم ہو گئی۔

(۱) وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ (الاعراف: ۱۵۶)

اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔

(۲) اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

تمہارے دوست تو حقیقت میں صرف اللہ اور

وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝

(پ ۶، المائدہ: ۵۵، ۵۶)

اللہ کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنا لے اسے معلوم ہو کہ اللہ کا گروہ ہی غالب رہنے والا ہے۔

(۳) وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (پ ۱۰، التوبہ: ۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔

(۴) الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (پ ۱۷، الحج: ۴۱)

یہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ [illegible] کی وضاحت قرآن مجید کی شرح [illegible] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب اور مقررہ صورت کا تعین ۲ھ میں ہوا۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں زکوٰۃ کے مزید احکامات کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد وفد عبدالقیس کے سوال کے جواب میں ۸ھ میں جن احکامات کی تعلیم دی تھی ان میں ایک زکوٰۃ بھی تھی [illegible] تمام عرب پر غلبۂ اسلام ہو گیا تو اس وقت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کا نزول ہوا کہ: خذ۔

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے مال میں سے [illegible] اس
کے ذریعہ سے تم ان کو پاک صاف کر سکو گے! پھر اس کے بعد ۸ھ میں ہی [illegible]
ہدایات میں زکوٰۃ کے بارے میں احکام اور قوانین کا نزول ہوا اس کے بعد ۹ھ
میں زکوٰۃ کے تمام احکامات مکمل ہو گئے اور اس کی وصولی کے لیے عاملین کا تقرر
بھی کر دیا گیا۔

۳۔ مُدّتِ زکوٰۃ

[illegible] جبکہ شریعت
موسوی میں تین سال تھی۔ ایک سال کی مدت انتہائی مناسب اور موزوں ہے [illegible]
[illegible]
مال پر ملکیت حاصل ہو جانے کے [illegible] ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ ۔	حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مال حاصل کرے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے (ترمذی)

سال بھر کی مدت مقرر کرنے میں حکمتِ خداوندی یہ ہے کہ تمام طور پر انسان کا کاروبار کی
حساب اور نفع یا نقصان کا اندازہ سال گزرنے کے بعد لگایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں سال گزرنے کے بعد جب انسان یکدم ادا کر دیتا ہے تو اللہ کی
یہ اطاعت انسان کے دل سے حُبِ مال نکال کر حُبِ الٰہی پیدا کرتی ہے، دوسری طرف
اگر زکوٰۃ کی مدت لمبی ہوتی تو غربت مٹانے کے لیے زیادہ سودمند نہ ہوتی۔

مدت ختم ہونے پر زکوٰۃ کو فوراً ادا کر دینا چاہیے، کہ اسلام کا اہم فریضہ سر پر
نہ رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ہے کہ نیک کاموں میں سبقت اختیار کرو
اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں میں عجلت کی جائے، لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی میں

عجلت سے کام لیا جائے کیونکہ کوئی چیز اس نیکی میں رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔ آفات پیش آتی رہتی ہیں۔ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ ٹال مٹول ناپسندیدہ ہے اور خیر کی جانب سبقت، ذمہ داری کے پیدا ہو جانے، ضرورت کے دور کرنے، رضائے الٰہی حاصل کرنے اور گناہ کے دور کرنے میں مفید ہے۔

۳۔ یوں تو زکوٰۃ ادا کرنے کا کوئی مہینہ یا دن مقرر نہیں ہے کیونکہ سال بھر میں جب مال حاصل ہوگا تو اس وقت سے ایک سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی [illegible] [illegible]۔ محرم کا مہینہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ اس لیے اس ماہ میں زکوٰۃ ادا کر دینا بہتر ہے۔ یا پھر رمضان المبارک میں زکوٰۃ دینا بہت افضل ہے۔ کیونکہ اس ماہ میں عام ایام کی نسبت بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں دل کھول کر اللہ کی راہ میں دیتے۔

علاوہ ازیں اگر مملکت اسلامی ہو اور ملک میں اسلامی نظام زکوٰۃ رائج ہو اور حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کے لیے کوئی ماہ بھی مقرر ہو تو اس ماہ میں زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے [illegible] اور عیسوی ماہ شمار کرنا غیر اسلامی ہوگا۔

۴۔ منکرِ زکوٰۃ کافر ہے

زکوٰۃ کی فرضیت قرآن و سنت سے بالکل واضح ہے اس لیے اس کی فرضیت سے انکار کرنا کفر کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے جو شخص اس کی فرضیت سے انکار کر دے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

حضرت امام نووی نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جو نو مسلم ہو، یا اسلامی ماحول سے دور رہتا ہو، اگر وہ زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کرکے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو پہلے اسے فرضیت زکوٰۃ کی اہمیت بتائی جائے گی۔ اگر وہ اس کے باوجود

بدستور اپنے انکار پر قائم رہے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلم معاشرے میں رہتا ہو اور اسے زکوٰۃ کی فرضیت کا علم ہو اور اس کے باوجود انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے یعنی پہلے اسے توبہ کے لیے کہا جائے گا اور توبہ نہ کرنے پر اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت کا علم لازمی ہے اور اس علم کے باوجود اس کا انکار اللہ کی اور اس کے رسول کی تکذیب ہے۔ نووی کی تائید ابن قدامہ اور دیگر فقہائے اسلام نے بھی کی ہے۔ غرض منکرین زکوٰۃ کے بارے میں واضح شرعی حکم موجود ہے اور جس پر اجماع بھی ہے اور اسی حکم کی روشنی میں ہمیں ان لوگوں کی حالت کا بھی جائزہ لینا چاہیے جو زکوٰۃ کو حقیر خیال کرتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ اسلام کا نظام زکوٰۃ موجودہ دور کے تقاضوں پر پورا نہیں اتر سکتا حالانکہ یہ لوگ اسلامی ملکوں میں پلے بڑھے ہیں! یہ کھلا ارتداد ہے

۵۔ زکوٰۃ نہ دینا مشرکین کا وصف ہے

فرضیت زکوٰۃ کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ارکان اسلام کی پابندی ہی دراصل مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کی علامت ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اسلام کی واضح علامت میں سے ہیں اسی لیے قرآن پاک میں زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں کا وصف اور عمل قرار دیا گیا ہے۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۔ اور تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت کا انکار کرتے ہیں

(پارہ ۲۴، سورہ حم، آیت ۶، ۷)

زکوٰۃ نہ دینے کے بارے میں دو باتیں ذہن نشین کرنی چاہئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فریضہ زکوٰۃ کی حقیقت اور فرضیت کو تسلیم تو کرتا ہے مگر زکوٰۃ دینے میں کوتاہی کرتا ہے۔ یا اتنا ناقص العمل ہے کہ غفلت اور کم ہمتی کی بنا پر زکوٰۃ نہیں دیتا۔ ایسا فرد دائرہ اسلام میں تو رہے گا مگر ایک فرض ترک کرنے کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوگا۔ وہ بھی

بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس فرض کی حیثیت سے انکار کر دیتا ہے اور زکوٰۃ کا منکر ہو جاتا ہے۔ تو ایسا کرنے سے وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے فریضہ زکوٰۃ کا انکار کیا تو خلیفہ اوّل نے ان کو اسلام سے خارج اور فتنہ ارتداد کا مرتکب جانتے ہوئے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔

۶۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے حضرت صدیق اکبرؓ کا اہتمام جنگ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو مدینہ کے آس پاس نفاق پھیل گیا۔ اور وہاں کے عرب مرتد ہو گئے اور عجم بھی مرتد ہو گئے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑک اٹھے اور نہاوند والوں سے ان کی سازباز ہو گئی اور معاہدہ ہو گیا اور ان لوگوں نے کہا کہ وہ آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو وفات پا گیا جس کی وجہ سے مدد کی جاتی تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے مہاجرینؓ و انصار کو جمع کیا اور فرمایا کہ ان عرب نے زکوٰۃ کی اونٹ اور بکری دینے کو منع کر دیا ہے، اور اپنے دین سے پھر گئے ہیں اور ان عجمیوں نے نہاوند والوں سے معاہدہ کر لیا ہے تاکہ سب تم سے لڑائی کے لیے جمع ہوں اور یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آدمی (حضورؐ) کہ جس کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی تھی وفات پا گیا ہے اب تم لوگ مجھے مشورہ دو اور میں بھی تم ہی کا آدمی ہوں۔ اور میں اس خلافت کا بوجھ اٹھانے سے تم سے زیادہ ضعیف ہوں صحابہ کرامؓ بہت دیر تک گردن جھکائے رہے حضرت عمرؓ بولے کہ اے خلیفہ رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ ان عرب سے آپ نماز پر اکتفا کر لیجئے اور ان سے زکوٰۃ لینا چھوڑ دیجئے ان کا اسلام زمانہ جاہلیت سے ابھی قریب ہے۔ یہ ابھی اسلامی احکامات کے عادی نہیں ہوئے ہیں۔ پھر اللہ پاک انہیں بھلائی کی طرف سے ہی آئے گا۔ اللہ اسلام کو عزت دے گا اور ہم لوگوں میں ان سے لڑنے کی قوت پیدا کر دے گا۔ جو مہاجرینؓ و انصار باقی رہ گئے ان میں تمام عرب و عجم سے لڑنے کی سکت و توانائی نہیں حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عثمانؓ کی طرف التفات کر کے فرمایا!

کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے بھی یہی کہا اور حضرت علیؓ نے بھی یہی کہا اور تمام مہاجرینؓ نے بھی انہیں کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا پھر حضرت ابوبکرؓ نے انصارؓ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت فرمایا۔ ان حضرات نے بھی اسی رائے کے ساتھ اتفاق فرمایا جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ دیکھا تو آپ منبر پر تشریف لائے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا اما بعد! اللہ پاک نے جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو حق انتہائی قلیل اور اجنبی تھا اور اسلام کی حیثیت ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح تھی اس کی رسی کمزور تھی۔ اس کے ماننے والے تھوڑے سے تھے، اللہ پاک نے سب لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جمع کر دیا اور ان لوگوں کو باقی رہنے والی اور افضل جماعت بنا دیا خدا کی قسم ہم اللہ کے کام کے لیے ہمیشہ کھڑے ہوں گے اور اللہ کے راستے میں ہمیشہ جہاد کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ہمارے مقاصد کو پورا کر دے اور جو کچھ اس نے وعدہ کیا ہے اسے وفا کرے جو ہم میں سے مارا جائیگا وہ شہید ہو کر جنت میں جائے گا جو باقی رہیگا وہ اللہ کی زمین میں اللہ کا خلیفہ ہو کر باقی رہے گا اور اللہ کے بندوں کا صحیح وارث ہوگا اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	اللہ پاک نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	اور عمل صالح کیے وعدہ فرمایا ہے کہ زمین پر ان کو
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	(اپنا) خلیفہ بنائے گا جس طرح پر کہ ان سے پہلے لوگوں
مِنْ قَبْلِهِمْ	کو اللہ پاک نے خلیفہ بنایا ہے۔ (سورۂ نور رکوع ۷)

خدا کی قسم اگر وہ مجھے ایک رسی کے دینے سے انکار کریں گے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے پھر ان کا شجر و حجر اور جن و انسان سب مل کر ساتھ دیں (پھر بھی) میں ان سے ضرور جہاد کرتے رہوں گا۔ یہاں تک کہ میری روح اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جائے۔ اللہ پاک نے نماز و زکوٰۃ میں تفریق نہیں کی اور ان دونوں کو ایک ساتھ جمع کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا خدا کی قسم جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے جہاد کا ارادہ کیا تو میں نے جان لیا کہ حق

ہی ہے۔

حضرت صالح بن کیسانؓ فرماتے ہیں کہ جب فتنۂ ارتداد پھیلا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا تمام تعریف ایسے اللہ کی جس نے ہدایت دی اور پوری پوری ہدایت دی اور دیا اور اتنا دیا کہ ہم لوگوں کو غنی کر دیا۔ بیشک اللہ پاک نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے نوازا اور اس وقت کوئی پرسان حال نہ تھا اور اسلام انتہائی اجنبی تھا اس کی۔ یہاں کمزور تھیں اس کی حیثیت ماتنی کہنہ معلوم ہوتی تھی اور جو اس کے اہل تھے وہ اس سے بدکتے تھے اور اللہ پاک اہل کتاب سے ناراض تھا لہٰذا ان کو اس خیر سے نہیں نوازا چونکہ پہلے سے ان کو بعض چیزوں سے رکھی تھی (جس سے انھوں نے روگردانی کی تھی) اور اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے کسی خیر کو نہیں پھیرا (اس لیے کہ وہ پہلے سے شر پسند تھے)، ان لوگوں نے اپنی کتاب کو بدل دیا تھا اور کتاب میں وہ چیزیں شامل کردیں جو کتاب میں نہیں تھیں، اور عرب ان پڑھ تھے اور ایمان باللہ سے خالی تھے نہ تو اس کی عبادت کرتے تھے اور نہ اس کو پکارتے تھے وہ لعنت معیشت میں مبتلا تھے اور ان کا دین سب میں زیادہ گمراہ تھا اور سرکار دو عالم کے ساتھ زمین پر بعض چند صحابہ تھے۔ اللہ پاک نے تمام عرب کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جمع کیا۔ افضل امت بنایا جس نے آپ کا اتباع کیا اللہ پاک نے انھیں اپنی مدد سے نوازا اور انھیں اوں کے غیر پر کامیاب فرمایا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی اب شیطان نے ان لوگوں پر سواری گانٹھی ہے اور انھیں اس جگہ لے آیا ہے جہاں سے اللہ نے انھیں ہٹایا تھا شیطان نے ان کا ہاتھ پکڑا ہے اور ان لوگوں کی خبر مرگ کا اعلان کردیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَ
مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ
اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بس رسول ہیں آپ سے پہلے
بہت سے رسول گزر چکے اگر آپ وفات پا جائیں یا شہید
کیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھر جاؤ گے
اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر الٹا پھر گیا اللہ تعالیٰ کو کوئی
نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر

الشّٰکِرِیْنَ ۝ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا۔ (سورہ آل عمران ع ۰)

تم لوگوں کے آس پاس جو عرب ہیں انھوں نے زکوٰۃ کی بکری، اونٹ دینے سے منع کردیا ہے یہ لوگ اگر آج اپنے پرانے دین کی طرف پھر گئے ہیں تو پہلے بھی یہ لوگ اپنے دین سے بے رغبت نہیں تھے اور اسی وجہ سے یہ تمہارے دین پر اتنے پختہ نہیں ہوئے جتنا کہ تم لوگ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے نبی کی برکتوں سے محروم رہنے کے باوجود پختہ ہو اور بے شک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو اس کافی اوّل (یعنی اللہ تعالیٰ) کے حوالہ کر کے گئے جس نے گمراہوں کو ہدایت دی اور محتاجی کو بے پروائی بخشی اور تم لوگ جہنم کے گڑھے کے کنارے تھے تم کو اس سے بچا لیا۔ خدا کی قسم میں اللہ کے امر پر ضرور لڑوں گا اور اسے نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ اپنا وعدہ پورا کرے اور ہمارے لیے اپنے عہد کی وفا کرے اور جو ہم میں سے شہید کیا جائے گا، اہل جنت میں سے ہوگا اور جو ہم میں سے باقی رہے گا اللہ کی زمین میں اللہ کا خلیفہ اور اس کا وارث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حق ثابت کر دکھایا اور اللہ کا قول ایسا ہے کہ جس کے لیے خلاف نہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیے اللہ پاک نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ (نور ع ۷)

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض منبر سے اتر آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین میں بالاتفاق طے ہوگیا اور میں بھی انھیں میں تھا جس وقت کہ عرب مرتد ہوئے ہم لوگوں نے عرض کیا اے رسول اللہ کے خلیفہ چھوڑ دیجئے ان لوگوں کو! یہ نماز پڑھا کریں گو زکوٰۃ نہ دیں، اگر ان لوگوں کے دلوں میں ایمان داخل ہو چکا ہے تو وہ زکوٰۃ کا بھی اقرار کرلیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض نے فرمایا قسم اس ذات کی کہ میرا نفس اس کے ہاتھ میں ہے یہ بات مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں آسمان سے گر پڑوں بہ نسبت اس کے کہ میں کسی ایسی چیز کو چھوڑ دوں جس پر رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے جنگ وقتال کیا ہے ان میں کی ست چیزوں پر جنگ وقتال کرتے رہوں گا،
چنانچہ یہ عرب سے یہاں تک ہوئے کہ انہوں نے پھر اسلام قبول کر لیا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے فرمایا قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ البتہ یہ ایک دن
(یعنی حضرت ابوبکر صدیق) تمام خاندان، عمر کے سے بہتر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ کی وفات ہو گئی تو عرب میں جس کو
مرتد ہونا تھا مرتد ہو گئے اور ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہ دیں گے میں نے
حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں کو الفت
دلائیے اور ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیجئے یہ لوگ تو وحشی جانور کی طرح ہیں۔ حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں تمہاری نصرت کی امید تو رکھتا اور لائے تم میرے پاس اچھا تازہ
نہ رکھنے والی بات لائے ہو تم زمانہ جاہلیت میں تو بڑے بہادر بنتے تھے اور زمانہ اسلام
میں بزدل ہو گئے۔ یہ کس چیز کا ڈر ہے کہ میں ان کی تالیف قلوب من گھڑت شعار سے
تھے کہانیوں سے کروں افسوس کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہیں۔
سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا، خدا کی قسم میں ان لوگوں سے جہاد کروں گا جب تک مجھ میں ذرا بھی
میں تلوار پکڑنے کی طاقت ہو گی اگر وہ مجھے رسی دینے سے بھی منع کریں گے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں
اس معاملہ میں میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے سے زیادہ پختہ دل اللہ اور زیادہ نافذ
کرنے والا پایا۔ اور لوگوں کو صدیق اکبرؓ نے کام کرنے کا ایسے بہترین طریقہ بتائے
لوگوں نے وہ سب کام جب میں ان کا خلیفہ ہوا مجھ پر آسان ہو گئے۔

جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ
حضرت ابوبکرؓ سے بہتر ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا کہ ایک رات حضرت
ابوبکرؓ کی اور ان کا ایک دن عمر کی تمام زندگی سے بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ رات
اور وہ دن بتا دوں؟ میں نے کہا جی ہاں اے امیر المؤمنین! ضرور بتلائیے۔ فرمانے لگے
رات وہ ہے کہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والوں سے بھاگ کر رات میں نکلے اور حضرت
ابوبکرؓ آپ کے پیچھے پیچھے تھے اور ان کا ایک دن وہ ہے جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد عرب مرتد ہو گئے تھے اور ان میں سے بعض نے تو یہ کہا تھا کہ ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے، اور بعض نے کہا تھا نہ ہم نماز پڑھیں گے اور نہ زکوٰۃ دیں گے، میں حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا میں بھلائی اور مصلحت کی بات حضرت ابو بکرؓ سے چھپایا نہیں کرتا تھا میں نے عرض کیا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! لوگوں کو مہلت دے دیجئے۔ باقی مضمون بیہقی کا وہی ہے جو اوپر گذرا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عرب کے لوگوں میں سے جنہیں کافر ہونا تھا کافر ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکرؓ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کیسے جہاد کریں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ نہ کہہ دیں پس جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اس نے اپنی جان و مال محفوظ کر لی، مگر اس سے حقوقِ واجبہ لیے جائیں گے اور ایسے شخص کا حساب اللہ کے حوالے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جنہوں نے نماز و زکوٰۃ میں فرق کیا اس لیے کہ زکوٰۃ حق مالی ہے خدا کی قسم اگر مجھے رسی دینے سے بھی منع کریں گے جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے میں ان سے ضرور جنگ کروں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کا یہ کہنا تھا کہ مجھے یقین آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جہاد کے لیے سینہ کھول دیا ہے، میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔

٣

اسلامی معاش میں زکوٰۃ کا مقام

اسلام ایک پاکیزہ یعنی برائیوں سے پاک معاشرے کا مظہر ہے۔ اسلامی معاشرے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے والے ہوں، انسانوں کے اخلاق و کردار مثالی ہوں اس لیے ایسے مثالی معاشرے کے لیے اسلام تمام دنیا میں ایک ہی اسلامی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ دار ہے۔ جو خدائی اصولوں کے مطابق چلے اور معاشرہ کا ہر فرد صاحبِ ایمان ہو لوگوں کا لین دین اور خرید و فروخت صداقت پر مبنی ہو، ظلم اور زیادتی کی بجائے انسانی عدالت عدل و انصاف پر مبنی ہو، مسلمانوں کے اخلاق و اطوار میں انسانی درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا معاشرہ کا ہر فرد خواہ جوان ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورت، ایثار، احسان اور قربانی کے جذبے سے سرشار اور فرض شناس ہو۔ خدا کے عائد کردہ فرائض میں سے نماز اور زکوٰۃ کا بھی پابند ہو اور ایک خدا کی پوجا کرنے والا ہو۔

اے مردِ مسلم آگاہ ہو کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب کہ تمام دنیا ایک مثالی معاشرہ کی آماجگاہ ہوگی اور اس جہان آب و گل میں ہر طرف اسلام ہی اسلام ہوگا اور میرے پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اس دارِ فانی میں تاجدار ہوں گے کیونکہ اسلام ہی ایک عالمگیر اور مثالی مذہب ہے اس کا معاشی نظام بھی مثالی ہے جو ہر انسان کو خدا کے پیدا کردہ مال و دولت کے وسائل سے انسانی ضرورتوں کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق دیتا ہے اور زکوٰۃ کی صورت میں ایسے لوگوں کو بھی جینے کا حق دلاتا ہے جو کسی وجہ سے حصولِ دولت میں دوسروں کے پیچھے رہ جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہماری اجتماعی زندگی میں فریضہ زکوٰۃ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس پر ملکی ذرائع آمدنی اور فلاحِ عامہ کا دارومدار ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ اجتماعی طور پر حکومت اور رعایا میں مندرجہ ذیل طریقے

نے معاشی توازن کو اعتدال پر رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

۱۔ زکوٰۃ اور اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام

حکومت اسلامیہ نے اپنے باشندوں کی بہتری کے لیے فلاحی امور انجام دیتے ہوئے بہت سی ضرورتوں کی کفالت کرنا ہوتی ہے۔ کئی طریقوں سے غریبوں، محتاجوں، معذوروں اور مستحقین کی دلجوئی کرنا ہوتی ہے تاکہ معاشرہ کے تمام لوگ بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہیں۔ اس ضرورت کے پیش نظر حکومتیں اپنے باشندوں سے ایک خاص رقم وصول کرتی ہیں مگر ان محاصل میں عام طور پر امیر و غریب کا امتیاز قائم نہیں رہتا اور بسا اوقات غریب لوگ ہی حکومت کے محاصل کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے محاصل کا جو نظام قائم کیا ہے۔ جس میں زکوٰۃ بھی ایک محاصل ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف صاحب حیثیت اور مالداروں ہی پر عائد ہوتا ہے اور اس طرح نظام زکوٰۃ میں غریب لوگ غیر مناسب اور بے جا محاصل کی ادائیگی سے بچے رہتے ہیں۔ یہ نظام زکوٰۃ شرح اور نفاذ ہونے میں اتنا ہمہ گیر ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق بدستور جاری و تفصیل حالات کے مطابق ہر زمانہ کی ضرورت پر پورا اترتا ہے اور اس میں کسی علاقے کی تخصیص اور امتیاز حائل نہیں ہوتا بلکہ ایک سیدھا سادہ اصول ہے جو مسلمان صاحب نصاب ہو گا اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض قرار دے گی۔ خواہ وہ مسلمان دنیا کے کسی خطے ہی کا رہنے والا ہو۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آیا اور حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے بیت المال کا تصور ابھرا تو اس بیت المال کے ذرائع آمدن میں ایک ذریعہ زکوٰۃ بھی تھا لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کا طریق کار کچھ اس طرح سے تھا کہ دربار نبوی میں جہاں رسالت اور نبوت تھی سے جو بھی عطیہ صدقہ خیرات زکوٰۃ عشر جزیہ مال غنیمت آتا تھا آپ فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی اسلام کا مالیاتی نظام کم وبیش وہی رہا جو دورِ رسالت میں تھا۔ جب فتوحات کے ذریعے مملکتِ اسلامیہ نے ایک وسیع علاقے کی ترتیب ہوئی تو اس نسبت سے حکومت کی آمدن اور ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں ہو بہو وہی مالیاتی نظام چلتا رہا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مرکزی بیت المال کا قیام عمل میں آیا کیونکہ فاروق اعظم کے عہد سے پہلے نہ تو اس قدر کثیر رقم آتی تھی کہ رکھنے کے لیے بیت المال بنایا جاتا مگر عہدِ فاروقیہ میں جب بحرین سے پورے سال کا خراج پانچ لاکھ رائج الوقت سکہ آیا تو اتنی بڑی رقم کو رکھنے کے لیے مرکزی خزانہ کا ہونا ضروری قرار پایا اور اس وقت بیت المال کو فروغ ملنا شروع ہوا اور وہی بیت المال بعد ازاں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں وسعت پکڑتا گیا۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں مسلمان اتنے فرض شناس تھے کہ وہ خود بخود زکوٰۃ بیت المال میں جمع کروا دیتے تھے اس دور میں زکوٰۃ کی وصولی کے لیے باقاعدہ عاملینِ زکوٰۃ کا بھی اہتمام ہوتا رہا مشہور ہے کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں نظامِ زکوٰۃ کا اتنا اعلیٰ بندوبست ہوا کہ ملک میں ہر طرف زکوٰۃ دینے والے ہی نظر آتے تھے اور لینے والا کوئی نہ تھا۔

ہر ملک میں نظامِ زکوٰۃ بڑی آسانی سے قائم ہو سکتا ہے جہاں اسلامی حکومت ہو اور سربراہِ اسلامی مملکت اہلِ تقویٰ سے ہو یا ولی اللہ ہو تو وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر ملک میں آسانی سے نظامِ زکوٰۃ رائج کر سکتا ہے کیونکہ تائیدِ خداوندی اور نصرتِ الٰہی ہمیشہ اللہ والوں کا ساتھ دیتی ہے اس کے برعکس دنیادار اور مفاد پرست حکمران چونکہ خود عملِ صالح سے خالی ہوتے ہیں اس لیے ان سے نظامِ زکوٰۃ رائج کرنے کی امید بہت کم رکھی جا سکتی ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کے لیے سربراہِ مملکت کا مردِ مومن ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کا صحیح معنوں میں صالح ہونا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ تم اپنے اموال کی زکوٰۃ کو ان لوگوں کے حکومت کے سپرد کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے تم پر سربراہ کیا ہے جو نیکی کرے گا تو ان کے

کام آئے گی اور جو زیادتی کرے گا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

جس ملک میں نظام زکوٰۃ نہ ہو تو وہاں کے صاحب نصاب مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ خود اپنی زکوٰۃ مستحقین میں [illegible] [illegible] وہ اتنی [illegible] اور نظام زکوٰۃ رائج بھی ہو مگر عاملین زکوٰۃ بددیانت ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کو اس امر کا خطرہ محسوس ہو کہ جو زکوٰۃ وہ عاملین کے حوالے کر رہا ہے وہ مستحقین تک نہ پہنچ پائے گی اور لوگ اسے خورد برد کر جائیں گے تو اس صورت میں وہ اپنے طور پر خود بھی مستحقین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

زکوٰۃ اقتصادی ترقی کا زینہ ہے

اسلامی مملکت کی ترقی کا راز اس میں ہے کہ اس کا معاشی نظام مضبوط ہو۔ جتنی معاش مستحکم ہوگی، اتنا ہی معاشرہ خوشحال ہوگا اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ امت مسلمہ کی معاشی اور اقتصادی ترقی کا بہترین ذریعہ ہے کیونکہ نظام زکوٰۃ سے اسلامی معاشرہ میں دولت کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ روپیہ امیروں سے نکل کر غریبوں کے ہاتھ میں آتا ہے یعنی زکوٰۃ کی تقسیم کے طور پر روپیہ چند ہاتھوں سے نکل کر بہت سے لوگوں کے ہاتھوں میں پھیل جاتا ہے اس طرح دولت کی اس تقسیم سے ہر خاص و عام فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسی سے اسلامی معاشرے کا اقتصادی مقصد پورا ہوتا ہے کہ اللہ کی عنایات سے کوئی فرد واحد ہی پشت در پشت فائدہ نہ اٹھاتا چلا جائے بلکہ معاشرے کے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔ دولت کے پھیلاؤ سے نہ صرف معاشرے کا ایک طبقہ ہی خوشحال ہوتا ہے بلکہ پوری قوم خوشحال ہوتی ہے جب دولت مستحقین کے ہاتھ میں آتی ہے تو اسلام ان لوگوں پر بھی پابندی عائد کرتا ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ لیتے ہیں آئندہ اپنے روزگار کا کوئی نہ کوئی وسیلہ بنائیں تاکہ ان کے ذرائع معاش بن جائیں اور وہ حصول معاش میں دوسروں سے پیچھے نہ رہیں۔ تو

ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ بھی زکوٰۃ دینے کے قابل ہو جائیں گے اس طرح نظام
روزگار روز بروز بہتر ہوتا چلا جاتا ہے اور ملک کی اقتصادی اور معاشی حالت مستحکم
بنیادوں پر قائم ہو جاتی ہے۔

نظام زکوٰۃ کا مقصد اسلامی معاشرہ میں مساوات قائم کرنا بھی ہے۔
مسلمان ذات پات کی تفریق سے بالاتر رہنے کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ امارت و غربت کا نظام
منجانب اللہ ہی ہے لیکن ساتھ ہی اللہ نے جو معاشرہ میں دوسروں کے لیے خرچ کا حکم
دے رکھا ہے اس سے دولت کی مصنوعی تفریق کو ختم کرنا بھی مقصود ہے ارشاد باری
تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن
ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَ
قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ
عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت
سے پیدا کیا۔ تمہاری شاخیں اور قبائل بنائے
تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے
نزدیک سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ متقی
ہے بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔

(پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات آیت ۱۳)

مسلمان بھائیوں کے لیے خرچ کی ہوئی دولت دوسروں کو فائدہ تو پہنچاتی ہی ہے
مگر کسی دوسری صورت میں دینے والے کو بھی فائدہ پہنچتا ہے یعنی اس کی عاقبت درست
ہو جاتی ہے اس کے برعکس جو روپیہ پیسہ جمع کر کے رکھ چھوڑیں گے وہ نشوونما نہیں
پائے گا مثال کے طور پر ایک مسکین کو کوئی کاروبار شروع کرا دیتے ہیں اور ایسا کرنا
اسلام میں فرد کی اصلاح ہے تو جب اس کا کاروبار چل جائے گا تو وہ حزب اللہ کا
ایک کمانے والا فرد بن گیا۔ اس طرح سے پیسہ لگا کر اسلامی ریاست کے مال میں اضافہ
ہو گا تو اس طرح سے حکومت کے مال میں ترقی کے باعث افراد کی ترقی ہوگی۔ اور ان
افراد میں زکوٰۃ دینے والے بھی ہیں جن کو مجموعی فائدہ پہنچا۔

۳۔ زکوٰۃ معاشی افلاس اور غربت کا حل ہے

اسلامی معاشرہ کے افراد کا معیارِ زندگی بلند کرنے میں بھی زکوٰۃ بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سامراجی نظام میں دولت چند ہاتھوں میں ہوتی ہے اور وہی چند لوگ جن کے ہاتھوں میں ذرائع معاش سے خزانے ہوتے ہیں زندگی کی گوناں گوں نعمتوں اور آسائشوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں جب انسان کے پاس کھانے پینے اور گزر اوقات کے لیے وافر مقدار میں دولت دستیاب ہو گی تو وہ بہت سی اخلاقی برائیوں سے خود بخود دور رہتا ہے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کے عوام الناس کے دولت حاصل کرنے کے ذرائع محدود ہوں تو لوگ بھوک افلاس اور غربت کا شکار رہیں گے اور غربت ایک ایسی کمزوری ہے کہ بہت سے لوگ اپنے ایمان کی کمزوری کے باعث مختلف جرائم کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور قوم میں جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے البتہ ایک بات یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا اللہ کی رزاقیت پر پختہ ایمان ہو تو یہ ایسا نہیں ہوتا۔

غربت اور افلاس کی وجہ سے انسان نہ صرف جرم کرتا ہے بلکہ اس میں اور بھی بہت سی اخلاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس کی ذہنی صلاحیتیں موقوف ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دولت سمیٹنے والوں کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ جب دولت سمٹتی سمٹتی چند ہاتھوں میں اکٹھی ہو جاتی ہے اور کئی لوگ بے وسیلہ ہو جاتے ہیں تو غریب لوگوں کی زندگی تنگ ہو جاتی ہے لہٰذا جب افلاس زیادہ ہو گا تو جرائم کی تعداد زیادہ ہو گی۔ آخر ایک وقت سامراجی نظامِ دولت کا انجام یہ ہوتا ہے کہ غریب لوگ امیروں کو لوٹنے کے درپے ہوتے ہیں اور ملک میں ہنگامے اور خونریزی کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اس طرح دولت کا احتکار معاشرہ کی تباہی کا باعث بنتا ہے اور عوام الناس کا معیارِ زندگی بلند ہونے کی بجائے پست ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کے ذریعہ دولت کا پھیلاؤ غربت اور افلاس کا ازالہ کرتا ہے۔

۴۔ زکوٰۃ اور ناداروں کی کفالت

اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ اپاہج اور ناداروں کی کفالت کا مسئلہ بھی حل کرتی ہے۔ وہ لوگ جو فطری طور پر معذور ہیں۔ اپاہج ہیں اور وہ خود کمانے کی استطاعت نہیں رکھتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنایا تو ایسے لوگوں کا بھی اللہ نے روزی کا ذریعہ بنانا تھا تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ معذور لوگوں کا تمھاری کمائیوں میں ایک حصہ ہے جو انھیں دے دو۔

وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

اور تمھارے مالوں میں سائلوں اور نادار لوگوں کا حصہ ہے۔ (پارہ ۲۹ سورۃ المعارج آیت ۲۴-۲۵)

بنیادی طور پر مومنین کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ جو دولت تمھارے ہاتھ میں وافر مقدار میں آئی ہے اسے صرف ساری کی ساری اپنی ہی سمجھ کر کہیں ذاتی عیش و عشرت میں نہ اجاڑ دینا بلکہ اس دولت میں معاشرہ کے نادار لوگوں کا ایک حصہ ہے اسے نکال دو یعنی انھیں دے دو اور وہ ذریعہ زکوٰۃ، صدقات اور خیرات ہی کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا ایک مقصد غریبوں اور حاجتمندوں کی کفالت بھی ہے ایک اور مقام پر آیا ہے۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ
وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۝

اور اس کی محبت کے لیے اپنا مال رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور سائل ہونے والوں اور غلاموں کی رہائی کے لیے خرچ کرو۔

(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۷)

اس آیت میں ملت اسلامیہ کو جو صدقات و زکوٰۃ کا حکم ہوا ہے اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ تنگ دستوں، محتاجوں، فقراء، مساکین اور ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ اور معاشرہ کا ہر طبقہ اجتماعی طور پر دولت سے فائدہ اٹھائے۔

۴

مقاصدِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے کیونکہ [illegible] کی
اطاعت کی بنا پر [illegible] لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان کے اخلاق
اور کردار میں کچھ خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جن کی بنا پر انسان ایک تو اطاعت گزار بندہ بن
جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی معاشرے کا ایک مثالی فرد بھی بن جاتا ہے لہٰذا زکوٰۃ
سے تعمیر سیرت میں انفرادی طور پر مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں

طہارتِ مال!

زکوٰۃ سے مال کی ظاہری طہارت پیدا ہوتی ہے کیونکہ کسب معاش میں بعض اوقات
اضطراری طور پر کچھ کسی جہت سے مال آلودہ ہو جاتا ہے مثلاً ملازمت میں یا
امانت اپنے کسی کام میں وقتی صرف کر لینا یا تجارت میں مال فروخت کرتے وقت مال
کا نقص ظاہر نہ کرنا۔ ایسے ہی انسان دنیا کے کاروبار میں کئی کام ایسے کر بیٹھتا
ہے جس سے کمائی آلودہ ہو جاتی ہے اس کے علاوہ حقداروں کا حق ادا نہ کرنے کی بنا پر
بھی کمائی تھوڑی بہت آلودہ ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کی کمائی میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے
کا حصہ مقرر کیا ہے اس کا ادا نہ کرنا گنہگاری ہے اور اس وقت تک وہ آلودگی ختم نہیں
ہوتی جب تک کہ حقدار کا حق ادا نہ کر دیا جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی سے اس طرح کی
آلودگیاں صاف ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم نے
اپنے مال سے زکوٰۃ دے دی تو تم سے اس کی برائی دور ہو گئی۔ ایک اور مقام پر فرمایا ہے
کہ تم اپنے اموال کو زکوٰۃ دے کر محفوظ کر لو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے اللہ

کی نحوست سے مال کی طہارت ہو جاتی ہے۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جس مال پر زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے جتنی زکوٰۃ کا مال بھی اصل مال میں شامل ہو گیا اور اس کا اصل مال سے علیحدہ نہ کرنا بے برکتی کا باعث بنتا ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ مل جاتی ہے زکوٰۃ اُسے ضائع کر دیتی ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ

"اگر تمھارے مال پر زکوٰۃ عائد ہو اور تم زکوٰۃ ادا نہ کرو تو یہ مال اصل مال کے ضیاع کا سبب بنے گا" غرض کہ مال اس وقت تک پاکیزہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں سے اللہ کا مقرر کردہ حصہ اس کی راہ میں ادا نہ کر دیا جائے لہٰذا طہارت مال کے لیے زکوٰۃ ضروری ہے لیکن حرام مال زکوٰۃ سے پاکیزہ نہیں ہوتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ صرف حلال مال کو پاک کرتی ہے بلکہ نیز برکت کا ذریعہ بنتی ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حرام کمائی کو اگر راہ خدا میں دے دیا جائے تو وہ حرام کمائی کے گناہ کی تلافی کا ذریعہ بن جاتی ہے لیکن یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ چوربازاری، بددیانتی، رشوت، چوری، سود اور جوئے کے مال کو راہ خدا میں دینے سے پاک نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسی سوچ بالکل غلط ہے اور اسلام کے منافی ہے اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ پاک ہے اور پاک چیز کو پسند فرماتا ہے نیز فرمایا کہ جس نے مال حرام طریقے سے جمع کیا پھر اس پر زکوٰۃ دی اسے اس کا کوئی اجر نہیں بلکہ الٹا وبال ہوگا۔ ایک اور مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بندہ مال حرام کما کر اس پر زکوٰۃ دیتا ہے وہ قبول نہیں ہوتی اور نہ اس مال سے راہ خدا میں خرچ کرنے پر کوئی برکت ہے اور جو مال وہ پیچھے چھوڑ دیتا ہے وہ جہنم کے لیے اس کا زاد راہ بنتا ہے کیونکہ برائی کو برائی سے نہیں مٹایا جاتا اور خبث کو خبث ختم نہیں کرتا اور نیکی برائی کو مٹاتی ہے۔ (احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حرام مال پر زکوٰۃ دینا قطعاً حرام ہے کیونکہ حرام ہر صورت میں حرام ہی رہتا ہے۔

۲۔ تربیت انفاق فی سبیل اللہ

رضائے الٰہی کی خاطر خرچ کرنا بہت اچھا ہے کیونکہ یہ عمل اللہ کے ہاں بڑا درجہ رکھتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں انفاق فی سبیل اللہ کو متقیوں کی صفات قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا بڑا مشکل کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی قرآن پاک میں جا بجا ترغیب دی ہے۔

۱۔ الم ذلک الکتب لا ریب فیہ هدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنهم ینفقون ۔

الف لام میم یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(پارہ ۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۳)

۲۔ الذین ینفقون اموالهم بالیل والنهار سرا وعلانیۃ فلهم اجرهم عند ربهم ۔

وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس۔ (پارہ ۳۔ سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۷۴)

۳۔ الذین ینفقون فی السراء والضراء والکظمین الغیظ والعافین عن الناس ۔ واللہ یحب المحسنین ۔

وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ (پارہ ۴۔ سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۳۴)

۴۔ وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین ۔

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اور بھلائی والے ہو جاؤ۔ بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں۔

(پارہ ۲۔ سورۃ بقرہ۔ آیت ۱۹۵)

ان آیات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ لیکن یہ بات

اللّٰہ علیہ وسلم: لَأَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیَاتِہٖ بِدِرْھَمٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ أَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِائَۃٍ عِنْدَ مَوْتِہٖ ٭

علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ موت کے وقت سو درہم صدقہ کرے۔ (ابوداؤد)

زکوٰۃ دینے سے انفاق فی سبیل اللہ کی تربیت حاصل ہوتی ہے چونکہ کمائی کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے اور بعض اوقات پریشانی اور تکلیف بھی اٹھانا پڑتی ہے اور پھر اس کمائی کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا بڑے حوصلے اور جرأت کا کام ہے لیکن زکوٰۃ انسان کو ہر حال میں ادا کرنی پڑتی ہے کیونکہ وہ فرض ہے اور اگر زکوٰۃ نہ دی جائے تو وہ گناہ کا موجب بنے گی۔ لہٰذا اس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان قیمتی سے قیمتی چیز بھی راہ خدا میں دینے سے دریغ نہیں کرتا۔

۳۔ علاج حُبِّ دُنیا

زیادہ مال و دولت انسان کو دنیا کی طرف رغبت دلاتا ہے اور اللہ سے غافل کرتا ہے لیکن ایسا مال جو زیادہ ہونے کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ انسان کو حب دنیا سے نجات دلاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی ضرورت کے مال جمع رکھنے کی اجازت دی ہے۔ مگر اس اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان عبادتِ الٰہی کو چھوڑ کر مال و دولت کو اکٹھا کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالے بلکہ انسانی زندگی کا مقصد اس حب دنیا سے بلند و بالا ہے یہ دنیا انسان کے لیے بنائی گئی ہے مگر خود انسان اطاعت الٰہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کو اکٹھا کرنے میں آزمائش کا پہلو بھی رکھ دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً ٭

اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔ (الانبیاء : ۳۵)

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ	تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں (التغابن: ١٥)
فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ	مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا۔ (الفجر: ١٥)

اس آزمائش کا علاج یہ ہے کہ انسان میں حب دنیا کم ہو، اس مقصد کے لیے اپنے مال میں سے کچھ حصہ راہ خدا میں صرف کرنا چاہیے تاکہ مال کی محبت میں کمی آجائے، انسان کا دل اسی کی محبت میں گرفتار نہ رہے اور یہ احساس رہے کہ محض طلب مال کی سعی میں لگے رہنا انسانی فلاح کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ فلاح و کامیابی کے لیے مال خرچ کرکے رضائے الٰہی کا حصول ضروری ہے۔ غرضیکہ زکوٰۃ حب دنیا کے ختم کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

۴۔ مال کی کثرت سے توسع اور تعیش میں اضافہ ہوتا ہے اور اس قوت مقدرت کی زیادتی انسانی نفس کو لذتوں سے ہمکنار کرتی ہے اور ان لذتوں کی آشنائی انسان کو مزید طلب مال پر اکساتی ہے اور پھر یہ مال مزید حظ نفس عطا کرتا ہے اور یہ حظ نفس پھر اور طلب مال کی جانب لے جاتا ہے اور انسان طلب مال کے اس چکر میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے جس سے زندگی کا حقیقی مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ شریعت نے اس چکر کا خاتمہ اس طرح کیا ہے کہ ہر مالدار شخص اپنے مال کا کچھ حصہ محض رضائے الٰہی کے لیے صرف کرے تاکہ اس کا نفس اس راستے سے ہٹ کر رضائے الٰہی کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ ایک ایسے پیچیدہ راستے پر چلے جس کی کوئی انتہا اور انجام نہ ہو۔ اور وہ محض مال جمع کرنے اور اس کی حرص و طلب میں لگا رہے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ کے سامنے ایک کھلی شاہراہ ہو، جس پر چل کر رضائے الٰہی کی منزل پر پہنچے اور اس شاہراہ پر چلتے ہوئے ہر مرحلے پر فقیر اور مستحق کا حق ادا کرتا ہے اور انفاق کرتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ اس مقصد کے حصول کے لیے بڑا موثر ذریعہ ہے جو بیجا حب دنیا کا علاج ہے۔

۴۔ علاجِ بُخل

احکامِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ مال کو اسلامی مصارف پر خرچ کیا جائے۔ اس لیے قرآن مجید میں مال کو جمع رکھنے کی بار بار مذمت کی ہے کیونکہ کنجوسی سے مال کو ایک جگہ پر جمع کر لینے سے اسلامی معاش کا توازن بگڑتا ہے۔ اس لیے بخل کو اسلام نے بہت بُرا فعل قرار دیا ہے کیونکہ بخل بہت ہی خطرناک ہے جو فرد اور معاشرے کو بیک وقت نقصان پہنچاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ہر شکل بخل سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

۱۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔ (پ۔ آل عمران: ۱۸۰)

۲۔ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۔

اور اللہ کو نہیں بھاتا اترانے اور بڑائی مارنے والا وہ جو آپ بخل کریں اور اوروں کو بخل کرنے کو کہیں اور جو منہ پھیرے تو بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے۔ سب خوبیوں والا۔

یہاں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ بخل کا دستور اختیار کر کے اسے اچھا خیال کرتے ہیں تو قیامت کے روز انھیں یہ بخل بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا جو مال انھوں نے بخل کر کے جمع کر کے رکھ چھوڑا، قیامت کو وہ ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ غرضیکہ بخل بہت بڑی بُرائی ہے۔

ایک موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بخل سے بچو۔ پچھلے لوگ دراصل بخل ہی سے ہلاک ہوئے ہیں کہ انھیں چھوڑنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے بخل کیا

انہیں قطع رحم کو کہا گیا تو انھوں نے قطع رحمی کی۔ اور انھیں برائیوں کا حکم دیا گیا تو انھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا۔

زکوٰۃ بخل کا بہترین علاج ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ سے جمع شدہ دولت ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں جاتی ہے جس سے اس عادت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے اسے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور اس کا نفس ایسی خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس نے رضائے الٰہی کی خاطر زکوٰۃ دی ہے۔ بخل سے بچنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات حسب ذیل ہیں:-

۱۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا۔

حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر صبح جب بندے صبح کرتے ہیں، دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک کہتا ہے اے اللہ! تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو بدل عطا کر، دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کا مال تلف کر دے۔ (صحیح مسلم)

۲۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ

حضرت ابوسعید رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو خصلتیں مومن شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بخل اور بد خلقی (ترمذی)

۳۔ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِیْلٌ وَلَا مَنَّانٌ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں مکار، بخیل اور احسان جتلانے والا داخل نہ ہوگا۔ (ترمذی)

۴۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا

حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی کی نہایت بری

فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ ۔

دو خصلتیں بری انتہائی بخیلی اور انتہائی بزدلی

(ابوداؤد)

۵۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ أَيْدِيهِمَا إِلَى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِيلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَأَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل اور صدقہ کرنے والے کی شان دو آدمیوں کی طرح ہے جن پر لوہے کی دو زرہیں ہیں ان کے ہاتھ ان کی چھاتی اور گردن کے ساتھ چپکائے گئے ہیں۔ صدقہ کرنے والا جب بھی صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، کھل جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ سکڑ جاتی ہے اور ہر حلقہ اپنی جگہ تنگ ہو جاتا ہے۔

(صحیح بخاری)

۶۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ ۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن کئی تاریکیوں کا باعث ہوگا اور بخیل سے بچو، اس نے تم سے پہلے بہت لوگوں کو ہلاک کر دیا اس نے ان کو اس بات پر اکسایا کہ انھوں نے خون بہائے اور حرام کو حلال جانا (صحیح مسلم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام اقوال میں بخل کی شدید مذمت کی گئی ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی اس بخل کا حل ہے۔

۵

فضائلِ زکوٰۃ

فضیلت سے مراد برتری، بزرگی اور امتیاز ہے جو کسی چیز کو اس کی خصوصیات، فوائد اور اہمیت کے پیشِ نظر حاصل ہوتا ہے جس پر فضلِ خداوندی جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی وہ چیز باعث فضیلت ہوگی۔ نسلِ انسانی سے جن برگزیدہ ہستیوں پر اللہ کا فضل ہوا وہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء تھے۔ ان انبیائے حق میں سب سے زیادہ صاحب فضل سرورِ انبیاء کی ذات بابرکات ہے۔ جن کی خاطر یہ کارخانۂ حیات بنایا گیا۔ آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو صاحب فضل تھے۔ ان کے بعد اہل روحانیت پر اللہ کا روحانی فضل ہوا تو وہ صاحبِ فضیلت بنے۔ گویا جس چیز پر اللہ کا فضل ہو جائے تو وہ حامل فضائل بن جاتی ہے۔

اسلام نوعِ انسانی کے لیے اللہ کے سب سے محبوب پیغمبر کا ایک فضیلت والا دین ہے لہٰذا اس فضیلت والے دین کے تمام عقائد ارکانِ عبادات اور معاملات بھی فضائل والے ہیں۔ اور اسلامی عبادات یعنی ذکر، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اگرچہ اپنے مقام کے لحاظ سے ہر ایک منفرد حیثیت، فوائد اور فضیلت رکھتے ہیں مگر فریضہ زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ ہے جس کی بنا پر زکوٰۃ لینے والے کو بے شمار دینی اور دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسلامی عبادات کو عام طور پر تین درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی زبانی عبادت، بدنی عبادت اور مالی عبادت۔ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ ان تمام عبادتوں کے باطن میں اللہ تعالیٰ نے ایسے اسرار چھپا رکھے ہیں جن سے ہر حال میں انسانی بہتری اور فلاح و بہبود مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام عبادتیں انسان کے لیے ضروری ہیں کیونکہ ان کے کرنے سے انسان اپنے حقوق و فرائض کو رضائے الٰہی کے مطابق ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اگرچہ تمام

عبادتوں کا اپنا ایک منفرد درجہ ہے مگر مالی عبادت کا درجہ بعض حالات میں بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال کی قربانی بہت بڑی بات ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال لٹانے والوں نے ہمیشہ بلند مقام پایا ہے۔

قرآن پاک میں بار بار زکوٰۃ دینے پر اسی لیے تو زور دیا گیا ہے کہ اس کے فضائل بیشمار ہیں۔ چونکہ اس کے ادا کرنے سے انسان کو راہ ہدایت ملتی ہے گویا فریضہ زکوٰۃ ہدایت پانے کی علامت ہے۔ زکوٰۃ دین و دنیا میں کامیابی کی سند ہے۔ زکوٰۃ گناہوں کی مغفرت کا کفارہ ہے۔ زکوٰۃ محبوب خدا کی شفاعت کا وسیلہ ہے۔ زکوٰۃ دنیا کے رنج والم سے نجات پانے کا علاج ہے۔ زکوٰۃ اپنے کاروباری مال و زر کو بابرکت بنانے کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ اپنے مالوں کو آفات اور خسارے سے بچانے کی گارنٹی ہے۔ زکوٰۃ مومنین کی آپس میں دوستی کی علامت ہے۔ زکوٰۃ جنت میں داخل ہونے کا ایک دروازہ ہے زکوٰۃ اہلِ تقویٰ کے سیرت و کردار کا آئینہ ہے۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ سے اجرِ عظیم پانے کا سب سے موثر آلہ ہے۔ گویا کہ زکوٰۃ ہی انسان کے ان محبوب ترین اعمال سے ہے جس سے رضائے الٰہی اور عشقِ مصطفےٰ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے گوناگوں فضائل ہیں جو قرآن و سنت کے مواقق درج ذیل ہیں:۔

۱۔ راہ ہدایت

زکوٰۃ کے فضائل میں سب سے پہلی چیز راہ ہدایت ہے۔ راہ ہدایت اللہ کی جانب سے متعین کردہ ایک راستہ ہے۔ چنانچہ ہر انسان کا بنیادی فرض ہے کہ وہ ہدایت والے راستے کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے کیونکہ یہ زندگی کا ایک قیمتی سرمایہ ہے اور اس کا ملنا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ اسی کی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر مذہب کے پیروکار کا یہی گمان ہے کہ وہ جس راستے پہ گامزن ہے یا جو مذہب اس نے اختیار کر رکھا ہے وہ صحیح ہے مگر غیر مسلم اس معاملے میں سراسر ایک روایتی حُسنِ ظن اور فریب میں مبتلا ہے کہ اس کی راہ ہدایت والی ہے۔ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے اور دینِ اسلام اللہ کا عطا کردہ ایک مکمل دین ہے اور اس پر عمل پیرا ہونا ہی راہ ہدایت ہے اس لیے اہل فرنگ اور اہلِ ہنود!

تیسرے یہ دعوت ہے کہ نور راہِ ہدایت پر آجا، کیونکہ اسی میں ہی انسانیت کی فلاح و بقا ہے۔ مگر افسوس کیا کریں کہ جس مسلمان کے سیرت و کردار سے غیر مسلموں نے متاثر ہونا تھا وہ تو خود ہی گروہ بندی کے باعث راہِ ہدایت سے دور ہو چکا ہے اور ہر فرقے کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ راہِ راست پر ہے۔ پھر سوال اٹھتا ہے کہ کون سے لوگ راہِ ہدایت پر ہیں؟ تو اس کی پہچان یہی ہے کہ ان تمام اسلامی فرقوں میں وہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں جن کے پاس حُبِّ الٰہی، عشقِ رسولؐ، دردِ انسانی اور ایمان کی دولت ہے۔

قرآن پاک نے تمام دنیا کو جس راہِ ہدایت کی دعوت دی ہے وہ یہی ہے کہ انسان صاحبِ ایمان بن کر تعلیماتِ اسلامیہ پر عمل پیرا ہو جائے۔ کتاب و سنت پر کاربند رہنے والے مومنین کی شانِ مسلمانی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دیتے ہیں کسی حال میں بھی فریضہ زکوٰۃ سے کوتاہی نہیں کرتے اور ایسے لوگ ہی راہِ راست پر ہیں۔ راہِ ہدایت پر چلنا اللہ کی نعمتوں سے ہے، چونکہ حقیقی زندگی گزارنے کا یہ وہ راستہ ہے جس پر رسول اکرمؐ خود گامزن رہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ اور اہلِ تقویٰ کا بھی یہی ہدایت والا راستہ ہے اور اس ضابطہ حیات کی شرط ہے کہ مسلمان زکوٰۃ کے رکن کو بھی پورا کرنے والا ہو۔

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ:

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔

مومنین کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (پ ۱۹۔ نمل ۲۔۳)

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۔

اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرا، پس وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے (پ ۱۰۔ توبہ ۱۸)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ راہِ ہدایت کی علامت ہے چنانچہ دنیا میں اگر سب سے زیادہ قیمت والی کوئی چیز ہے تو وہ راہِ ہدایت کا ملنا ہے اور راہِ ہدایت صرف

اسلام یہی ہے چونکہ اسلام ہی ایک ہدایت یافتہ دین ہے جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ اسلام کی تکمیل اس میں ہے کہ مسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ دیں دیگر ایک اور موقعہ پر آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لاتا ہے وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (طبرانی)

۲۔ زکوٰۃ دینے والوں کیلئے فلاح

راہ ہدایت ملنے کے بعد دنیا میں جس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ فلاح ہے۔ اور حصولِ فلاح کے لیے جن امور کو سرانجام دینا ضروری ہے ان میں ایک زکوٰۃ بھی ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں کے لیے فلاح ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ	جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے
الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝	ہیں اور وہ آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔
اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ	وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (لقمان، ۴تا۵)

اسلامی نقطۂ نظر سے اس دنیا کی مادی زندگی اور آخرت کی ابدی حیات میں کامیابی کا نام فلاح ہے مگر اہل دنیا نے دنیاوی خوشحالی، مال وزر کی فراوانی، تعیشات اور نفس خواہشات کی تکمیل کو فلاح سمجھا ہوا ہے۔ اسلام میں اگرچہ دنیاوی خوشحالی بھی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے لیکن حدود اللہ کے اندر رہ کر دنیا میں خوشحال ہونا اور اللہ کی پیدا کردہ گوناگوں نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کامیاب و کامران ہونا فلاح ہے۔ اسلام دونوں جہانوں میں یعنی دنیا و آخرت میں اپنے پیروکاروں کو فلاح کی خوشخبری دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں فلاح کے لیے کچھ اوصاف بیان ہوئے ہیں کیونکہ جن لوگوں میں وہ اوصاف ہوں گے تو وہ صاحب فلاح ہوں گے۔ چنانچہ فلاح کے لیے صاحب ایمان ہونا ضروری ہے۔ ہم رسمی مسلمان دولت ایمان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کیونکہ ہمیں ایمان کی دولت کے لیے کوئی مشقت یا تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑی۔ ایمان کی سچی قدر وقیمت تو اہل تقویٰ اور بزرگانِ دین ہی کرتے ہیں۔ جنھیں بشرے زہد و تقویٰ کے

بعد معرفتِ ایمان حاصل ہوتی ہے۔ اقرارِ ایمان کے بعد جو نیک اعمال انسان کو فلاح کے راستے پر لے جاتے ہیں ان میں سے ایک فعل ادائیگی زکوٰۃ ہے اور یہی زکوٰۃ یعنی اللہ کی راہ میں دیا ہوا مال فلاح کی کنجی ہے۔

سورۃ مومنون کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے کہ اہلِ ایمان کو فلاح حاصل ہوگی۔ پھر ایسے لوگ جن کی نمازوں میں خشوع اور خضوع ہوگا۔ جن کی زبان پر لغو باتیں نہ ہونگی اور جو زکوٰۃ دیں گے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی ہے۔ پھر فرمایا کہ ایسے اہلِ ایمان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر جائز طریقے سے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں تو ایسے اوصاف والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں فلاح ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:-

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝	تحقیق مومنین نے فلاح پائی، وہ لوگ جو اپنی نمازیں ڈرتے یعنی عاجزی کرتے ہیں اور وہ لوگ جو بیہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور وہ لوگ جو زکوٰۃ دیتے ہیں (پ ۱۸ ۔ مومنون : ۱ تا ۴)

حصولِ فلاح کے لیے بسا اوقات اہلِ تقویٰ کو رنج و غم سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن آخر سکونِ قلب کی دولت انہیں میسر آتی ہے جو دنیاوی فلاح کی دلیل ہے اور آخرت میں اعمالِ صالح کی بنا پر وہ بلا خوف و خطر ہونگے جو فلاحِ آخرت کی دلیل ہے۔

۲. زکوٰۃ دینے والوں پر رحمتِ خداوندی

فلاح اور ہدایت پر گامزن ہونے کے لیے اللہ کی خاص عنایت درکار ہے اگرچہ راہِ ہدایت کا ملنا بہت بڑی بات ہے مگر اسے پا کر اس پر ثابت قدم رہنا اللہ کی مدد اور رحمت کے بغیر ممکن نہیں۔ فریضہ زکوٰۃ جہاں انسان کو فلاح اور ہدایت پر لانے والے اعمال میں سے ہے وہاں یہ رحمتِ خداوندی کے حصول کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ۔

اور میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے۔ پس میں ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو خدا سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں (پ ۹ اعراف: ۱۵۶)

رحمتِ خداوندی کائنات میں ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے بلکہ اس کارخانۂ حیات کا وجود ہی اللہ کی رحمت سے ہے۔ تو اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت ان لوگوں کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے یعنی وہ لوگ اللہ کی رحمت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ جو متقی ہوتے ہیں۔ جن کے دلوں پر خوفِ الٰہی طاری رہتا ہے۔ اور اسی خوفِ خدا کے باعث وہ نیک کاموں کی طرف راغب رہتے ہیں اور برے کام نہیں کرتے چنانچہ ایسے متقی اور پرہیزگار لوگ دل میں خوفِ خدا رکھنے کے ساتھ ساتھ ملتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لیے دل کھول کر روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ دیتے ہیں جو ان کے لیے رحمتِ خداوندی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس آیت کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت کا حقدار بننے کے لیے قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ پر مکمل ایمان رکھنا بھی ضروری ہے۔ ذاتِ خداوندی انسان کے ساتھ اتنی رحیم اور کریم ہے کہ انسان نافرمانیاں اور غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے مگر پھر بھی اللہ کی رحمت اہلِ جہاں پر رواں دواں ہے۔ یہاں تک کہ انسان گناہوں میں سیاہ کار ہو کر جب بھی اللہ کے حضور اپنے کیے پر نادم ہوتا ہے اور معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے یہ اللہ کی شانِ بے نیازی ہے جسے چاہے نواز دے۔ اللہ کی رحمت کی ایک صورت ایسی ہے جو ہر ایک کے لیے یکساں ہے خواہ وہ اسے مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ گر اللہ کی رحمت سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ مثلاً جب بارش ہوتی ہے تو ہر کھیتی والے کے لیے باعثِ رحمت ہوتی ہے اس میں اللہ کو ماننے والے اور نہ ماننے والے سبھی شامل ہوتے ہیں مگر اللہ کی رحمت کا ایک حصہ خاص ہے جو صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ پھر مسلمانوں میں جو اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں ان پر خاص ہی رحمت ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے وجود

دنیا میں باعثِ رحمت ہیں جیسے صالحین امتِ مسلمہ کے لیے رحمتِ خداوندی کا ذریعہ ہیں کیونکہ بارگاہِ رب العزت میں ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے کہ اے لوگو! نماز قائم کرو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول پاکؐ کی اطاعت اور پیروی بھی مسلمانوں کے لیے باعثِ رحمت ہے اور اس اطاعتِ رسولؐ کا ایک جزو نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔	اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے
	(سورۃ النور: ۵۶)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی زکوٰۃ لے کر آتا تو آپ فرماتے اے اللہ! رحمت نازل کر فلاں شخص پر ایک روز میرا باپ زکوٰۃ لے کر آیا تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ! ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ پر رحمت کر (بخاری شریف) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول پاکؐ کی خدمت میں جب کوئی زکوٰۃ دینے آتا تو آپؐ اس کے لیے رحمت کی دعا کیا کرتے تھے۔

۴۔ زکوٰۃ سے مال و دولت میں اضافہ

قرآن کریم کی تعلیمات سے ہے کہ رضائے الٰہی کی خاطر اپنے مال فنڈ کو دوسروں کی خاطر خرچ کرنے سے مال میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ قرآن کا یہ نظریہ دنیا کے عام معاشی اصولوں سے مختلف ہے جس سے لوگوں کی انفرادی دولت میں کثرت ہوتی ہے زکوٰۃ سے دولت کا معاشرہ میں پھیلاؤ ہوتا ہے اور اسلامی حکومت کا بیت المال بھی مضبوط ہوتا ہے۔ جب حکومت اور معاشرہ کے لوگوں کے پاس دولت آتی ہے تو وہ اپنی دولت کو بڑھانے کے لیے کاروبار کرتے ہیں۔ مختلف منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ جس سے معاشرہ کے اکثر افراد کو دولت بڑھانے کا موقع ملتا ہے۔ کیونکہ تقسیمِ دولت کا دائرۂ آمد و صرف جتنا بھی کشادہ ہوگا اور اس سے فائدہ اٹھانے

اور اس سے بڑھ جانے میں جتنے زیادہ لوگوں کو دخل ہوگا اتنا ہی دولت میں اضافہ ہوگا نظام زکوٰۃ سے کئی ایک روزگار کا وسیلہ بن جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی زکوٰۃ دینے والے بن جاتے ہیں۔

زکوٰۃ سے مال و دولت میں برکت کی ایک وجہ رحمت خداوندی بھی ہے کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے اس میں قدرتی طور پر کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے اللہ کے خاص بندوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے ہر چیز کو قربان کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب اللہ ان کی قربانیوں سے راضی ہو جاتا ہے تو ان کے لیے دین و دنیا میں کسی چیز کی کمی نہیں رہنے دیتا۔ ان کی دعا میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ اگر وہ روئے زمین کی دولت کے تمام خزانے بھی مانگ لیں تو اللہ وہ بھی دے سکتا ہے مگر حب الٰہی اور عشق رسولؐ انھیں اتنا بے نیاز کر دیتا ہے کہ وہ دنیا مانگتے ہی نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ — اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے (پ ۳ بقرہ: ۲۷۶)

بظاہر سود سے دولت میں اضافہ ہوتا نظر آتا ہے لیکن فرمان الٰہی کے مطابق سود کی دولت زیادہ نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ سود ایک ایسی لعنت ہے جس سے سود خور میں سنگ دلی، خود غرضی، بخل اور تنگ دلی پیدا ہوتی ہے۔ معاشرہ میں سود خور کو حقیقی عزت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اور سود خوروں کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے اس طرح قدرتی طور پر ان کا کاروبار اس طرح نشو و نما نہیں پاتا جس طرح صدقہ دینے والوں کی نیک نامی ہوتی ہے ان میں اچھی صفات پیدا ہوتی ہیں، لوگ انھیں فیاض اور ہمدرد تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی نیک نامی کی وجہ سے ان کے ذرائع آمدن میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

صدقات اور زکوٰۃ سے آخرت کا جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ بھی انسان کے لیے

سب سے بڑی دولت ہے۔ اس کے برعکس سود خوری سے انسان کی عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ۝

اور جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوۃ تم اللہ کی رضا کے لیے دیتے ہو تو وہ لوگ اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں (پ ۲۱۔ الروم : ۳۰)

وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے اور وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔ (سبا : ۳۹)

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے (پ۳۔ البقرہ : ۲۶۸)

وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ۝

اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو اس کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں

(الروم : ۳۹)

۵۔ زکوۃ مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے

یہ ایک عجیب فلسفہ ہے کہ انسان مال کی زکوۃ دے اور اس کا مال محفوظ ہو جائے یعنی مال چوری ہونے سے بچ جائے۔ قدرتی آفات سے اسے نقصان نہ پہنچے گویا ہر ضائع ہونے والے ذریعے سے محفوظ ہے۔ یقینی حکم اور ایمان کی پختگی ہے کہ جب مسلمان اللہ کی راہ میں کسب حلال سے کمائے ہوئے مال کی حلال روزی ہی سے

زکوٰۃ دے گا تو اللہ کی رحمت اس کے مال کو ہر آفت سے بچائے گی۔

ایک دفعہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ کسی شخص نے کہا کہ فلاں آدمی کا بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ سمندر کی طغیانی نے اس کے مال کو ضائع کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا جنگل ہو یا سمندر، گر یا کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کر کے حفاظت کیا کرو۔ اپنے بیماروں کی بیماری صدقے سے دور کرو اور آفات کے نزول کو دعاؤں سے دور کیا کرو۔ کیونکہ دعا اس بلا کو بھی زائل کر دیتی ہے جو نازل ہو گئی ہو اور اس بلا کو روک دیتی ہے جو ابھی نازل نہ ہوئی ہو۔ ایک اور مقام پر ابو داؤد کی روایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ محفوظ بناؤ۔ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے اور بلا اور مصیبت کا دعا سے علاج کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ عاجزی سے گڑگڑاتے رہو۔ آپ نے ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی، بیشک اللہ نے اس سے شر دور فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کو گھاٹے سے محفوظ تجارت قرار دیا ہے اور زکوٰۃ کا شمار بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے ہی ہوتا ہے۔ لہذا زکوٰۃ بھی ایک سودا ہے جو دینے سے گھاٹا نہیں پڑتا بلکہ اللہ کی طرف سے وعدہ ہے کہ اس تجارت میں ہمیشہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ○	بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے علانیہ اور چھپ کر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی طرف امید کرتے ہیں جو کبھی ماند نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو پورا اجر دے گا اور اپنا فضل زیادہ کرے گا بیشک وہ معاف کرنے والا اور بڑا ہی قدردان ہے۔
(پ ۲۲، الفاطر: ۲۹، ۳۰)	

دنیا کے مال واسباب کو فروخت کرنا تجارت کہلاتا ہے اس میں انسان اپنا سرمایا محنت اور عقل صرف کرتا ہے اور پھر اس تجارت سے منافع کی آس لگاتا ہے ایسے ہی دینی فرائض اور عبادات پر انسان کی محنت، وقت اور عقل کام کرتی ہے اس محنت کے علاوہ انسان اپنا روپیہ اللہ کی راہ میں دیتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی تلاوت، نماز اور زکوٰۃ کو نیک تجارت سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا کہ یہ نیک اعمال ایسی تجارت ہیں جن میں خسارہ نہیں بلکہ نفع ہی نفع ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ

([illegible])

اور مثال ان لوگوں کی کہ جو رضائے الٰہی کی خاطر اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں، اور اپنے نفس کے پورے وثوق کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کا حال باغ کی مانند ہے جو کسی اونچی جگہ پر واقع ہو۔ گ۔۔۔ کا بارش ۔۔۔ ہو جائے۔

۶۔ زکوٰۃ دینا مومنین کے اوصاف سے ہے

زکوٰۃ کی ادائیگی صاحب ایمان ہونے کی علامت ہے اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحمت کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے ([illegible])

یہاں بھی پہلے والی بات کا اعادہ ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر وقت دو گروہوں کا وجود رہتا ہے۔ ایک اہل ایمان، دوسرے غیر مسلم، ان دونوں قسم کے انسانوں کے بنیادی

اور دکھوں سے بے خوف و خطر کر دیتا ہے۔ مال و دولت جمع کر کے انسان بے پناہ خطرات مول لیتا ہے مگر فرمانِ خداوندی کے مطابق زکوٰۃ ان خطرات کا حل ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دیتے رہے۔ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بہت بڑا اجر ہے اور نہ ان کے لیے خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (پ ۳، بقرہ: ۲۷۷)

خوف اور غم دو طرح کا ہے۔ ایک خوف تو یہ ہے جو انسان کے ذہن میں بُرے اعمال کی بنا پر طاری ہوتا ہے کہ آخرت میں اسے سزا ملنی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انسان بُرے اعمال کی وجہ سے مختلف قسم کے خطرات سے دو چار ہو جاتا ہے۔ جو باعثِ رنج و الم بنتے ہیں۔ ایسا خوف انسان کے لیے باعثِ زحمت ہے۔ بلکہ انسان کے لیے ایک روگ اور بیماری ہے۔ کیونکہ یہی خوف اور غم انسان کے سکون کو تباہ کرتا ہے۔ یوم آخرت میں ان کو اور زیادہ خوف اور غم ہوگا۔ جب زکوٰۃ نہ دینے کا انجام ان کے سامنے ہوگا۔

اس خوف کے علاوہ دوسرا خوف خوفِ خدا ہے اور ایسا خوف باعثِ رحمت ہے۔ کیونکہ خوفِ خدا رکھنے والا انسان بے شمار برائیوں سے بچتا ہے۔ بلکہ ایسا خوف تو اہلِ تقویٰ صالحین اور اولیاءِ کرام کو حاصل ہوتا ہے۔ دنیا میں بُرے خوف سے نجات کا ذریعہ جو اللہ نے بتایا ہے وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہونا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نیک اور صالح عمل کرنا ہے۔ اس کے علاوہ پابندی سے نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ جن میں یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں ان کے دلوں میں خطراتِ زمانہ اور آخرت کی سزا کا خوف ختم ہو جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔

ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے دنیا میں صالح عمل نہیں کیے ہوں گے قیامت کے روز ان پر اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے خوف اور غم طاری ہوگا۔ اس کے برعکس نیک اعمال کرنے والے بے خوف ہوں گے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ زکوٰۃ بھی بنیادی طور پر ان اعمال ہی سے ہے جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ انسان کو اچھا اجر پانے کا مستحق قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ایک اور مقام پر بیان ہوا ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے نہ غم ہے اور نہ خوف۔ یعنی ادائیگی زکوٰۃ کا عمل انسان کو اللہ کی مدد تک پہنچا دیتا ہے جس کے بعد کسی قسم کا خوف اور غم نہیں۔

٨۔ زکوٰۃ کا اجر عظیم | اجر عظیم سے مراد وہ انعامات خداوندی ہیں جن کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور ایسی جزا ہے جو بہت بڑی ہے

زکوٰۃ بھی ان اعمال سے ہے جس کا اجر بہت بڑا اور بے پناہ ہے اس فریضہ کی ادائیگی کا اجر اس جہان میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملے گا۔ اس اجر عظیم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۔

اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے والے ہیں جن کو عنقریب بہت بڑا اجر دیں گے۔

(پ ٦، نساء، ١٦٢)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز کے پابند ہوں گے اور زکوٰۃ دیتے ہوں گے اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہوں گے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل کتاب یعنی نصرانیوں اور یہودیوں میں بے شمار برائیاں تھیں۔ مگر ان میں چند لوگ ایسے تھے جو سچے دیندار اور پختہ علم والے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ان سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ بن سعد، حضرت زید بن سعید، حضرت اسید بن عبید ہیں، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اللہ کی توحید اور رسول اکرمؐ کی رسالت اور

بلکہ آخرت پر ایمان لے آئے وہ دین کے علم میں راسخ تھے۔ نمازیں پڑھتے تھے اور زکوٰۃ دیتے تھے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ انھیں ان کے اسلام میں آنے کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں جو اجر ملے گا وہ بہت بڑا ہوگا۔ یعنی اس اجر کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ اہل کتاب میں آج بھی اگر کوئی نماز پڑھتا ہو، اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان بھی رکھتا ہو مگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہ لائے تو ایسے نیک اعمال کا صلہ وہ کسی یہودی یا نصرانی کو نہیں ملے گا۔ کیونکہ موجودہ اہل کتاب کے لیے رسول پاکؐ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ایمان کے بغیر زکوٰۃ یا دوسرے نیک کاموں کا اجر جنت کی صورت میں نہیں مل سکتا۔ اس لیے یہودیوں، نصرانیوں اور غیر مسلموں کے لیے صرف یہی راستہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور نیک کام کر کے اجر عظیم کے حقدار بنیں۔ اجر عظیم کی زندہ مثالیں اولیاء کی تعظیم و تکریم اور علمائے حق کے علم کی قدردانی ہے۔ جو ان کے اس دنیا سے وصال پانے کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ اور آخرت میں اجر عظیم۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات اور گوناگوں نعمتوں کے حصول کی صورت میں ہوگا۔ یہ اجر عظیم اللہ کے فضل سے بہت زیادہ ملتا ہے۔ جس کی مثال قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے کہ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے، اسی طرح جس کے حق میں چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

۹۔ رسول پاکؐ کو دعا کا حکم

زکوٰۃ دینے والوں کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا شاملِ حال ہوتی ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے کہ:-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً	ان کے مالوں سے خیرات لے لیجیے تاکہ وہ
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ	ان کو پاک صاف کرے اور ان کے لیے دعا

عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(پ ۱۱، توبہ : ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کے لوگوں میں سے کچھ لوگ جو بظاہر مسلمان تھے مگر ان کے دلوں میں نفاق تھا اور ان لوگوں کا وہ نفاق غزوہ تبوک کے موقع پر ظاہر ہو گیا۔ کئی نام نہاد مسلمان غزوہ میں جان بوجھ کر شریک نہ ہوئے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو دوہری سزا دی جائے گی یعنی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مگر ان میں کچھ ایسے مسلمان بھی تھے جن کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کیوں عمل نہ کرتے ہوئے غزوہ تبوک میں حصہ نہ لیا۔ انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کی تو ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ ان کے مالوں سے کچھ صدقہ وصول کر لیں جو ان کے اس نامناسب فعل کا کفارہ ہو گا جو ان کے نفس میں پاکیزگی کا سبب بنے گا۔ اور ان کے لیے دعا کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے باعث سکون ہو گی

اس آیت کے شانِ نزول کے حساب سے اس کا اطلاق زکوٰۃ پر ہوتا ہے اور اکثر مفسرین بھی اس سے مراد زکوٰۃ لیتے ہیں لیکن کچھ حضرات اس آیت کا اطلاق عام صدقہ پر بھی کرتے ہیں۔ لیکن میرے خیال کے مطابق زمانہ حال میں اس صدقہ کے حکم کا اطلاق زکوٰۃ پر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اسی آیت سے اسلامی حکومت کے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم اخذ ہوتا ہے۔

مال و زر انسان کے لیے بڑی محبوب اور اہم چیز ہے کیونکہ بوقت ضرورت اس سے اغراض پوری ہوتی ہیں۔ مگر اس سے زیادہ محبت احکام الٰہی کو پس پشت ڈالتی ہے۔ زکوٰۃ انسان کے دل سے مال کی محبت کم کرتی ہے جس وجہ سے انسان بے شمار برائیوں سے بچ کر نیکیوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کا

ذاتی لالچ، حرص، طمع ماند پڑتا ہے جس سے انسان کے دل میں حُبِ دنیا کی بجائے حُبِ الٰہی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے زکوٰۃ کو اسلام میں فرض قرار دیا گیا ہے۔

اوپر کی آیت کے آخری حصہ میں یہ بتایا ہے کہ آج بھی جو مسلمان اپنے اعمال کی کمزوریوں اور کوتاہیوں پر تائب ہو جائے اور نیک کام کرنے لگے تو اس کے لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں اور یہ انسان کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہے کہ جس کے لیے اللہ کا رسولؐ دعا فرمائے اسے اور کیا چاہیے!

۱۰۔ زکوٰۃ دینے والوں کے لیے بہشت

زکوٰۃ دینے والوں کے لیے آخرت کی زندگی میں بہشت کی خوشخبری ہے۔

جنت ایک ایسی جگہ ہے جہاں نہ کوئی غم، خوف، خطرہ، نہ کھانے کا دھندا، گویا کہ ہر طرح سے انسان آزاد اور سکون میں ہوگا۔ اور وہاں اتنی آسائشیں ہوں گی کہ انسان دنیا کی زندگی میں تصور بھی نہیں کر سکتا، اس زندگی کے لیے اللہ نے لوگوں کو نیک اعمال کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان نیک اعمال میں صاحبِ ایمان بننا، نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے۔

سورۂ مومنون میں اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اہلِ ایمان ہوں گے، نیک اور صالح اخلاق کے مالک ہوں گے اور ان تمام صفات کے حامل ہوں گے جو کہ ایک مومن کے لیے ہیں تو ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کر کے اس کا وارث بنا دیا جائیگا اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ دینے والوں کے لیے جنت کی وراثت ہے۔ یعنی جنت میں دو چار دن یا کچھ عرصہ کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے جنت ان کے لیے ہے اور وہ جنت کے لیے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا	اور وہ لوگ جو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وہی لوگ وارث ہوں گے۔ وہ فردوس کے وارث ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خٰلِدُوْنَ ۰ (پ۱۸، المؤمنون: ۹ تا ۱۱)

فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور مومنین کے لیے اسی کی بشارت ہے۔

حضرت ایوبؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا کہ سرکار! مجھے ایسا عمل بتادیں جو مجھے جنت میں داخل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کر، کسی کو اس کا شریک نہ کر، نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور یہ فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کو تین بار فرمایا پھر سر جھکا لیا تو صحابہ کرامؓ نے بھی سر جھکا لیے اور رونے لگے۔ معلوم نہ ہوا کہ کس چیز پر آپ نے قسم کھائی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا۔ چہرۂ پُرنور پر خوشی تھی اور فرمایا جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہے۔ رمضان کے روزے رکھتا ہے اور اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا (نسائی شریف)

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک اور روایت ہے کہ حضور نے فرمایا جو مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا وہ کیا ہیں یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا نماز، زکوٰۃ، امانت داری، شرمگاہ، شکم اور زبان کی حفاظت۔ (طبرانی)

۱۱۔ زکوٰۃ دوستی کی علامت ہے

زکوٰۃ مسلمانوں میں ایک دوسرے سے دوستی کی علامت ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۰

بیشک تمہارا دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرتے ہیں۔

(پ۶، المائدہ: ۵۵)

یہاں ایک دوستی کے معیار کی بنیادی علامت کا ذکر ہوا ہے کہ ایک مسلمان کا رجوع ہر حال میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہونا چاہیے۔ ان کی محبت ہی سب سے بڑی دوستی کی علامت ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کے بعد اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں سے پیار اور محبت رکھنی چاہیے اور ایسے لوگوں سے دوستی اور مراسم استوار کرنے چاہئیں جو نمازی ہوں اور زکوٰۃ دینے والے ہوں اور رکوع کرنے والے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم کے مسافر آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اہلِ ایمان کا ایک حزب ہے جو حزب اللہ کہلاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں حزب الشیطان ہے۔ لہٰذا حزب اللہ والوں کے لیے تاکید ہے کہ وہ ایسے لوگوں ہی کو دوست اور ساتھی بنائیں جو اللہ کے گروہ کے لوگ ہوں جو نماز پڑھتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں اور اہلِ ایمان ہوں۔ اگر کوئی اس گروہ کو چھوڑ کر غیروں سے یعنی حزب الشیطان والوں سے تعلق رکھے گا تو اللہ اس کا مددگار، نامراد رہائی نہ ہوگا۔ یعنی تائیدِ خداوندی اس کے شاملِ حال نہ ہوگی۔ لہٰذا ہمیں سبق ملا کہ ہم نمازی، زکوٰۃ دینے والے، متقی، پرہیزگاروں اور اہل اللہ کو دوست بنائیں اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔

۱۲۔ زکوٰۃ نصرتِ خداوندی کا ذریعہ

سورۂ حج میں ان تکالیف کا ذکر کیا گیا ہے جو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شمعِ توحید روشن کرنے کے لیے برداشت کرنا پڑیں۔ پھر وہ صحابہ کرامؓ بھی کفارِ مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے جنھوں نے بعثت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا تھا۔ پھر اللہ کی مدد سے مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو اس موقع پر ارشاد ہوا:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ وَلِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب قوت والا ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں سیادت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف کا حکم دیں گے اور نہی

عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ﴿ سے روکیں گے اور سارے امور کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے (پ۱۷، ع ۱۰، ۳۰ تا ۴۱)

وہ مسلمان جنھوں نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مال وجان کی قربانیاں دینے سے دریغ نہ کیا، ان کی اللہ نے مدد کی، اللہ نے انھیں دنیا میں تاجدار بنادیا ان کو حکومتیں بخش دیں کیونکہ انھوں نے اللہ کی نماز کو قائم کیا۔ نظام زکوٰۃ پر عمل کیا لوگوں کو نیکی کا درس دیا اور برے کاموں سے لوگوں کو منع کیا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جب تک مسلمان نماز وزکوٰۃ ادا کرتے رہے اور لوگوں میں نیکی کا حکم پھیلانے کے لیے کمربستہ رہے اس وقت تک اللہ ان کا مددگار رہا اور جب مجموعی طور پر اسلامی احکامات پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ نمازوں کی ادائیگی سے بیگانہ ہوئے۔ زکوٰۃ کی روح کو ختم کردیا۔ غیروں میں نیکی پھیلانے کی بجائے خود برائیوں میں مبتلا ہوگئے تو اللہ نے مسلمانوں کی مدد چھوڑ دی اور اب مسلمان افراتفری کے عالم کا شکار ہیں۔

مسلمان کو اللہ کی مدد کی اشد ضرورت ہے کیونکہ مسلمان قدم قدم پر اللہ کا محتاج ہے۔ اس لیے امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ برائی کا راستہ چھوڑ دیں جو سراسر اللہ کی ناراضگی اور غضب کا راستہ ہے۔ مسلمانوں کو اطاعت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ دنیا میں ہر زمانے میں اللہ کے خاص بندے اطاعت گزار بندے ہوتے ہیں جن پر ہمیشہ اللہ مہربان ہوتا ہے جو دن رات اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ انھیں کی بدولت آڑے وقت میں گنہگاروں کی بھی مدد ہوجاتی ہے۔ مگر امت المسلمین کے لیے ضروری ہے کہ وہ فریضہ نماز اور زکوٰۃ پر عمل پیرا رہیں اور لوگوں میں نیکیاں پھیلائیں تاکہ اللہ مسلمانوں کا ہمیشہ ناصر اور مددگار رہے۔

۳۔ زکوٰۃ دینے والوں سے جنگ کی ممانعت

اسلامی جہاد کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں جنگ نہ کی جائے اس کے بارے میں اللہ نے ترغیب دی کہ جب حج کے مہینے گزر جائیں، مشرکین اور کافروں کے ساتھ جنگ کرو اور جہاں بھی تم ان کو پاؤ،

وہیں انھیں قتل کرو۔ البتہ اگر وہ لوگ اپنے فرسودہ عقائد سے توبہ کر کے دینِ اسلام قبول کریں اور اہلِ حق کے مقابلے میں لڑنے سے توبہ کر لیں تو ان کے فرائض میں یہ شامل ہو جائے گا کہ وہ اسلام کی بدنی اور مالی عبادت کو بھی پورا کریں اور اس غرض سے وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو اس طرح جب وہ راسخ العقیدہ مسلمان بن جائیں تو ان کے ساتھ جنگ روک دی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کفر و شرک سے رسمی یا زبانی کلامی توبہ کرنے کے ساتھ ضروری ہے کہ مسلمانوں والے اعمال سرانجام دیئے جائیں۔ اس لیے نماز کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی ان کے لیے ضروری ہو گی۔ آج بھی اگر کوئی غیر مسلم، یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور اسلامی عقائد کو تسلیم کر لیتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں کے ایک گروہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اب پریشانی ہوئی کہ مسلمانوں کے خلاف تلوار کیسے اٹھائی جائے تو حضرت ابوبکرؓ نے اسی آیت کے حوالے سے ان کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیا اور فتنہ کو ختم کیا۔

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَ آتَوُا الزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ۔ ۖ	پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ (توبہ ۵)

سورہ توبہ میں آگے پھر بیان ہوا کہ اگر یہ توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا سچے دل سے دینِ اسلام میں داخل ہو جانا، نماز کو قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اس امر پر دلالت کرے گا کہ اب ان کے حقوق اور تمہارے ساتھ تعلقات برادرانہ ہیں۔

۶

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب

یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ قرآن پاک میں انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ بے شمار آیات میں بار بار لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پھر اللہ کی راہ میں نہ دینے پر آخرت کی زندگی میں بہت سی وعیدیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ زکوٰۃ چونکہ فرض ہے اور انفاق فی سبیل اللہ سے بڑھ کر ہے اس لیے ایسی تمام وعیدوں کا خود بخود اطلاق زکوٰۃ پر بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور زکوٰۃ نہیں دیتے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عذاب دینے کا وعدہ کیا۔ عذاب کے معنی سخت سزا اور دکھ کی مار کے ہیں مراد یہ ہے کہ یوم حساب کے دن جن لوگوں کے بارے میں سزا کا حکم سنا دیا جائے گا تو انھیں یعنی ان کے جسم اور روح کو ایک ایسی جگہ پر مقید کر دیا جائے گا۔ جہاں وہ ہر وقت دکھ درد اور اذیت میں مبتلا رہیں گے اور اس جگہ کا نام دوزخ ہے یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ نور اور نار دو علامتی الفاظ ہیں۔ نور والے جنت میں جائیں گے جو راحت کی علامت ہے۔ نار والے دوزخ میں جائیں گے نار سخت دکھ اور تکلیف کی علامت ہے۔ نار چونکہ انسانی جسم کو جلاتی ہے اور تکلیف کا باعث بنتی ہے اس لیے دوزخ میں جتنے بھی شدید قسم کے عذاب ہیں وہ نار کے ہیں۔ وہاں کا کھانا پینا، اوڑھنا اور وہاں موجود رہنا سب میں آگ کے اثرات کا دخل ہے اور وہاں جو جسم کی ایذا رسانی ہے وہ بھی آگ میں تپائی ہوئی اشیاء ہی کی ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ انسان کو اگر دنیا میں آگ کے حوالے کر دیا جائے تو وہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے خود ختم ہو جاتا مگر دوزخ کے عذاب میں اللہ نے ایسی صورت

رکھی ہے کہ وہاں انسانی وجود ختم نہ ہوگا بلکہ اس کا جسم اور روح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا۔ اور یہ اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کا ٹھکانہ ہے۔ ان نافرمانیوں میں صاحب حیثیت ہو کر اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا اور صاحب نصاب ہو کر زکوٰۃ ادا نہ کرنا بھی شامل ہے چنانچہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کو آخرت میں جو عذاب دیا جائے گا، قرآن و حدیث کی رو سے مندرجہ ذیل قسم کے عذاب ہوں گے۔

۱۔ عذاب جہنم

راہ اللہ میں دولت کو لٹانا مردان حق ہی کا خاصا ہے کیوں کہ اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت کو دوسروں پر خرچ کرنا بڑا دل گردے کا کام ہے۔ انسان اپنی ذات شان و شوکت، لباس، خوراک، رہائش، اولاد، فضولیات اور آسائش پر تو ہزاروں روپے خرچ کر دیتا ہے مگر در پر آئے ہوئے سوالی کے لیے انسان دیتا ہوا سوچنے لگتا ہے۔ دنیا کرۂ ارض پر بے شمار لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے صاحب حیثیت بنایا ہے پھر اللہ کی راہ میں بخل کیسا بلکہ بعض لوگ تو دولت اکٹھی کرتے ہی مر جاتے ہیں اور اپنے سر پر گناہ کا بوجھ بنا کر اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں تو وہ لوگ جو دولت کو سمیٹ سمیٹ کر جمع کرتے ہیں اور اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ایسے لوگوں کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے ان میں سے ایک وہ مالدار ہوگا جو اپنے مال سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا تھا یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا۔ (طبرانی)

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ بخل انسان کو زکوٰۃ دینے سے روکتا ہے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر بخل کی مذمت کی گئی ہے بلکہ بخیلوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے اور اس عذاب کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ ... اور وہ لوگ گمان نہ کریں کہ وہ اس میں بخل کرتے ہیں

آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

(پ ۴، آل عمران : ۱۸۰)

جو اللہ نے انھیں اپنی فضل سے دیا ہے ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لیے بہت بُری چیز ہے عنقریب قیامت کے دن ان کے گلے میں اس مال کا طوق پہنایا جائے گا جو انھوں نے راہِ اللہ میں خرچ نہیں کیا۔

مال و دولت کا ملنا اللہ کے فضل میں شامل ہے کیونکہ انسان محتاجی سے بچ جاتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے انسان محتاجی، افلاس اور بھوک کا شکار ہو جاتا ہے جس سے انسان کا ظاہری تہذیب و تمدن خراب ہوتا ہے۔ اس لیے دولت کو رحمت خداوندی تصور کیا جاتا ہے مگر دولت کا وافر مقدار میں حاصل ہو جانا اور پھر اسے اطاعتِ خداوندی کے مطابق خرچ نہ کرنا انسان کے لیے زحمت اور آخرت میں عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

دنیا داروں کی ایک عجیب سوچ ہے کہ جتنا مال زیادہ ہوگا اتنا انسان کے لیے باعثِ راحت ہے کیوں کہ دولت کی کثرت سے انسان لذاتِ نفس پورا کرتا ہے۔ من پسند زندگی گزارتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جوں جوں انسان کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے تو اس کا دل جمع کرنے کی طرف اور زیادہ مائل ہوتا جاتا ہے اگرچہ ضرورت کے مطابق مال و دولت پاس رکھنا اسلام میں جائز ہے جس سے اپنی اور بال بچوں کی کفالت آسانی سے ہو سکے لیکن جمع شدہ مال پر جو فریضہ زکوٰۃ اور صدقات عائد ہوتا ہے اسے ادا کرنا بھی از حد ضروری ہے زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے وہی جمع شدہ مال انسان کے لیے روزِ قیامت کو وبالِ جان بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی سوچ میں مثبت پہلو پیدا کرنے کا خواہاں ہے کہ وہ مال جو اللہ ہی کا ہے اسے اس کی رضا کے لیے خرچ کرنا ہی انسان کے لیے بہتری ہے لہٰذا جو لوگ اللہ کے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کا وہی جمع کیا ہوا مال ان کے لیے باعثِ عذاب بنے گا اور اس عذاب کی صورت ایک طوق کی ہوگی جس ک

مثال یوں سمجھیں کہ اگر یہاں کسی آدمی کے گلے میں ایک وزنی لوہے کا رسا یا زنجیر طوق کی صورت میں ڈال دیں تو اس وزن کے زور سے گردن ٹوٹنے کا احتمال ہو گا جو اس کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہو گا حالانکہ دنیا میں یہ طوق پہنانے کی ایک معمولی سی صورت ہے جو انسان کے لیے ناقابل برداشت ہے چہ جائیکہ اللہ کی راہ میں نہ دینے کی وجہ سے انسان کا مال و دولت ایک انتہائی وزنی طوق بنا کر انسان کے گلے میں ڈال دیا جائے اور پھر وہ اتنا گرم ہو جو جسم پر لگنے سے راکھ کر ڈالے تو یہ عذاب کی کتنی بھیانک صورت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اپنے غضب سے بچائے اس طوق کی کیفیت اس طرح ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال روز قیامت کو ایک ایسا سانپ بنا دیا جائے گا جو گنجا ہو گا اور اس کے سر پر دو سیاہ نشان ہوں گے پھر وہ سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈالا جائے گا۔ جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا کہ تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی جس کے بارے میں بیان ہو رہا ہے۔

احادیث میں یہ مضمون حسب ذیل انداز میں بیان ہوا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَہٗ مُثِّلَ لَہٗ مَالُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ شُجَاعًا یَاْخُذُ بِلِھْزِمَتَیْہِ یَعْنِیْ شِدْقَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ۔ (رواہ بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو شخص نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا یہ مال اس کے لیے گنجا سانپ بنایا جائے گا جس کی آنکھوں میں دو سیاہ نقطے ہوں گے اور وہ سانپ قیامت کے دن اس کی گردن میں بطور طوق ڈالا جائے گا پھر سانپ اس کے منہ کے دونوں کناروں کو یعنی باچھوں کو پکڑے گا پھر کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ گمان نہ کریں آخر

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ الْاٰيَةَ.

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے مال کو قیامت کے دن سانپ بنا کر اس کی گردن میں ڈال دے گا پھر اس کی تصدیق میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی اور خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے آخر آیت تک۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَطْلُبُهُ وَيَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ حَتّٰى يُلْقِمَهٗ أَصَابِعَهٗ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری دولت کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بن جائے گا اس کا مالک اس سے بھاگے گا وہ اس کو طلب کرے گا یہاں تک کہ اس کی انگلیاں منہ میں ڈال لے گا۔ (احمد)

ان احادیث میں سانپ کے لیے شجاع کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی شرح کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ شجاع سانپ کی وہ قسم ہے جو دم کے اوپر سیدھا کھڑا ہو کر مقابلہ کرتا ہے دوسرے یہ کہ وہ گنجا ہوتا ہے اور اس کا گنجا پن اس کے زہر کی شدت ظاہر کرتا ہے۔
ان احادیث میں عذاب والے سانپ کی تیسری صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کے سر پر سیاہ نقطے ہوں گے اور یہ سیاہ نقطے بھی اس کے زہریلے پن کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں بہر کیف ان احادیث میں سانپ کے ذریعے عذاب کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے وہ بہت ہی اذیت ناک ہوگی۔ ایک اور مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن فقراء اغنیاء کے لیے ہلاکت کا سبب بنیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے اللہ! انھوں نے ہمارے حقوق غصب کرکے ہم پر ظلم کیا تو عذاب فرمائے گا

[illegible] عبادت کی قسم [illegible] ہے جو [illegible] جھگڑوں کا اور [illegible]
[illegible] دو [illegible] کا [illegible] پڑھی۔

فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

اغنیاء کے مال میں سائل اور فقیر کا ایک معین حق ہے۔

فرمانِ نبویؐ ہے معراج کی رات میں نے ایک ایسی قوم پر گزرا جنھوں نے آگے پیچھے چیتھڑے لگائے ہوئے تھے اور جہنم کا تھوہر، ایلو اور بدبودار گھاس جانوروں کی طرح کھا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے عرض کی حضور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کا صدقہ (زکوٰۃ) نہیں دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے نہیں بلکہ انھوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

۲۔ آگ کا عذاب

آخرت کے عذابوں میں ایک عذاب آگ کا ہے اور یہ عذاب بھی بڑا دردناک ہے اس کے بارے میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ دوزخ میں ایک جگہ ایسی ہے جو بہت بڑے گڑھے کی مانند ہے جسے جہنم کہا جاتا ہے اس میں بڑی شدت سے گرمی پیدا کرنے والی آگ ہوگی اور اس آگ کی تپش اس دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ ہوگی اور پھر اس میں آگ کے لمبے لمبے ستون ہوں گے جو انتہائی گرم ہوں گے۔ اب ذرا غور کیا جائے کہ گرمیوں کے دنوں میں جب ذرا گرمی تیز ہوتی ہے تو اس گرمی سے بچنے کیلئے انسان کیا کچھ کرتا پھرتا ہے کہیں تہہ خانوں میں آرام کرتا ہے، کہیں بجلی کے پنکھوں کا سہارا لیتا ہے اور ایئر کنڈیشن لگاتا ہے مگر نارِ جہنم کی گرمی کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایک دہکتا ہوا تنور ہے اور جو لوگ اللہ کے احکام نہیں بجا لاتے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے کوتاہی کرتے ہیں تو ان کو جب یہ سزا بھگتنی پڑے گی تو پھر کیا عالم ہوگا لہٰذا ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم نے آخرت کے لیے کیا کیا ہے اور آخرت کے لیے کیا سامان بنایا ہے۔ ایسا سامان جو نیکیوں پر مشتمل ہو جو ہمارے لیے باعثِ ٹھنڈک اور

ساعت کی فکر کرنی چاہیے۔ آگ کے عذاب کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۙ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۚ كَلَّا ۖ لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۙ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۙ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۙ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۔

(پ ۳۰، الہمزۃ: ۱تا۹)

تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو پیٹھ پیچھے نکالنے والا ہو اور طعنہ دینے والا ہو جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور چورا چورا کرنے والی آگ میں ڈالا جائے گا اور کیا آپ جانیں کہ حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی وہ آگ ان لوگوں پر بند کر دی جائے گی اس طرح کہ وہ لوگ لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے عذاب کا حکم اخذ کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بخیل لوگوں کی مذمت کی گئی ہے کہ جو لوگ محبت الٰہی کو چھوڑ کر مال و دولت کی محبت میں گھرے ہوئے ہیں اور اپنے مال کو گن گن کر رکھتے ہیں نیز ایسے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ان کی دولت ہمیشہ ان کے کام آئے گی اگرچہ دولت بھی کام آتی ہے بشرطیکہ نیکی پر خرچ کیا جائے لیکن اگر اسے لذت نفس لہو لعب اور عیش و عشرت پر خرچ کیا جائے تو وہ جہنم میں لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ انسان خیال کرتا ہے حطمہ یعنی جہنم کیا ہے تو وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے پر قیامت کے بعد جو عذاب ہونا ہے وہ تو ہونا ہی ہے لیکن مرنے کے بعد اس دنیا میں بھی سخت عذاب ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضرت ابی سنان رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے گئی جب ان لوگوں کو وہاں بیٹھے کچھ دیر ہو گئی تو جناب ابی سنان رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے

ایک ہمسایہ فوت ہو گیا ہے، چلو تعزیت کے لیے اس کے بھائی کے پاس چلیں۔ محمد بن یوسف الفریابی کہتے ہیں ہم آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے اور اس کے بھائی کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ بہت آہ و بکا کر رہا ہے۔ ہم نے اسے کوئی تسلیاں دیں، سب کی کوشش کی مگر اس کی گریہ وزاری برابر جاری رہی۔ ہم نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہر شخص کو آخر مرنا ہے؟ وہ کہنے لگا یہ صحیح ہے مگر میں اپنے بھائی کے عذاب پر روتا ہوں۔ ہم نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں غیب سے تمہارے بھائی کے عذاب کی خبر دی ہے؟ کہنے لگا نہیں بلکہ بات یوں کہ جب سب لوگ میرے بھائی کو دفن کر کے چلے گئے تو میں وہیں بیٹھا رہا، میں نے اس کی قبر سے آواز سنی وہ کہہ رہا تھا آہ! وہ مجھے تنہا چھوڑ گئے اور میں عذاب میں مبتلا ہوں میری نمازیں اور روزے کہاں گئے! مجھ سے برداشت نہ ہو سکا، میں نے اس کی قبر کھودنا شروع کر دی تاکہ دیکھوں میرا بھائی کس حال میں ہے، جونہی قبر کھلی میں نے دیکھا، اس کی قبر میں آگ دہک رہی ہے اور اس کی گردن میں آگ کا طوق پڑا ہوا ہے۔ مگر میں محبت میں دیوانہ وار آگے بڑھا اور اس طوق کو اتارنا چاہا جس کو ہاتھ لگا تھا کہ میرا یہ ہاتھ انگلیوں سمیت جل گیا ہے۔

ہم نے دیکھا واقعی اس کا ہاتھ بالکل سیاہ ہو چکا تھا۔ اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا میں نے اس کی قبر پر مٹی ڈالی اور واپس لوٹ آیا۔ اب اگر میں نہ روؤں تو اور کون روئے گا؟ ہم نے پوچھا تیرے بھائی کا کوئی ایسا عمل بھی تھا جس کے باعث اسے یہ سزا ملی؟ اس نے کہا وہ اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا۔

عذاب کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث یہ ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال ما من
صاحب ذهب ولا فضة لا
يؤدي منها حقها إلا إذا كان
يوم القيامة صفحت له صفائح

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کوئی سونا اور چاندی رکھنے والا نہیں کہ
اس میں سے اس کا حق ادا نہ کرے مگر جب قیامت کا دن ہو
گا اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی جو جہنم کی آگ
میں گرم کی جائیں گی اور اس کے پہلو پیشانی اور اس کی

كُتِبَ لَهُ عَدَدُ آثَارِهَا وَأَرْوَاثِهَا
حَسَنَاتٌ وَلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلَى
نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيدُ أَنْ
يَسْقِيَهَا إِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ مَا
شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
فَالْحُمُرُ قَالَ مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ
شَيْءٌ إِلَّا هَذِهِ الْآيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ
فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ.

استطاعت کے نشانِ قدم کی گنتی اور ان کی لید اور پیشاب
کے مطابق نیکیاں لکھتا ہے اور ان کا مالک ان کو کسی نہر پر
سے گزرتا ہے اس سے وہ پی لیں حالانکہ ان کو پانی پلانا نہ
چاہتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس چیز کی گنتی کے مطابق
جو پیا نیکیاں لکھتا ہے۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول گدھوں کا
کیا حکم ہے فرمایا گدھوں کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نہیں اتارا گیا
مگر یہ آیت کہ سب نیکیوں کو جمع کرنے والی ہے یعنی جو ایک
ذرہ کی مقدار نیک عمل کرے گا اس کو دیکھے گا اور جس نے ایک
ذرہ کی مقدار برا عمل کیا اس کو دیکھے گا (صحیح مسلم)

۲۔ عذابِ الیم

عذاب کی ایک صورت عذابِ الیم ہے جس کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَى
عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا
جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ
هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ.

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور
اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کے لیے
دردناک عذاب کی خبر ہے جبکہ اس سونے چاندی
کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے
ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے
گا۔ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا تو آج
اپنے جمع کیے کا مزہ چکھو۔

وافر مقدار میں سونا چاندی اور دولت اکٹھی کرنا کنز کہلاتا ہے لیکن اسلام میں عوام الناس
کے لیے اپنی ضرورت کے مطابق مناسب مقدار میں سونا چاندی اور دولت اکٹھی کرنا جائز
ہے تاکہ انسان کی اپنی ذات اور اہل و عیال محتاجی سے بچے رہیں۔ اگرچہ اہلِ تقویٰ کے
نزدیک مال جمع رکھنا درست نہیں اسی کی وجہ ہے کہ مال و زر اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ نے

سے غیب ایسی جاتی رہتی ہے۔ کنز سے عموماً مراد تو خزانہ یا دبایا ہوا مال ہوتا ہے لیکن بے پناہ چاندی اور نقد مال و دولت جمع کرنا کنز ہے خواہ مال و دولت کو دبا کر خزانہ کی طرح رکھا ہو یا کسی اور طرح سے رکھا ہو تو اس آیت کے زمرے میں آ جائے گا اور کنز کہلائے گا۔ بخل، طمع اور لالچ کے تحت کنز کرنے کے بعد راہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر عذاب کی وعید ہے معلوم ہوا کہ نیک رزق حلال کمانا اپنی محنت سے امیر ہو جانا کاروبار میں بے پناہ اضافہ ہو جانا بُرا نہیں بلکہ بُرائی اور باعث عذاب یہ چیز ہے کہ دولت کو اکٹھا کر کے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے یعنی اس کی واجب زکوٰۃ نہ نکالی جائے صدقہ اور خیرات نہ کیا جائے بخیل بن کر دولت کو اکٹھا کر کے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے اور دھرنا مار کر بیٹھا رہے۔

ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب مندرجہ بالا آیت اتری کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں تو مسلمانوں پر گراں ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس کا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حل پوچھوں گا۔ جب حضرت عمرؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت آپ کے خادموں پر گراں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی ہے تاکہ تمہارے مال پاک ہو جائیں۔ میراث تو اسی مال میں جاری ہوگا جو بعد میں باقی رہے اور بہترین چیز جس کو آدمی خزانہ کی طرح محفوظ رکھے وہ نیک بیوی ہے کہ جب اسے دیکھ کر دل راضی ہو جائے جب اس کو حکم کیا جائے تو فوراً اطاعت کرے اور جب خاوند غائب ہو تو وہ اپنی حفاظت کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا مال ہی خزانہ کے زمرے میں آئے گا جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے گی۔ حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیت کا جب نزول ہوا تو ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونا چاندی جمع کرنے کا تو یہ حشر ہے بلکہ ہم پر واضح کر دیجیے کہ بہترین مال کیا ہے۔ جس کو خزانہ رکھنا چاہیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا

ذکر کرنے والی زبان اللہ کا شکر ادا کرنے والا دل اور نیک بیوی جو آخرت کے کاموں میں مدد دیتی ہے سب سے بہترین دولت ہے۔

سونا چاندی جمع کرکے زکوٰۃ نہ دینے کی جو وعید بیان کی گئی وہ یہ ہے ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس سونے چاندی کو دوزخ میں گرم کیا جائے گا اور پھر اسے پیشانیوں، کروٹوں اور پشتوں پر داغا جائے گا۔ دنیا میں اگر کسی شخص کو گرم چیز سے داغا جائے تو کتنا خوفناک منظر ہوتا ہے اس کے برعکس آخرت میں تو اس سے کئی گنا زیادہ خوفناک عذاب ہوگا۔ اور اس تکلیف کا بھی اندازہ نہیں کیا جاسکتا جو جسم پر گرم چیز لگنے سے ہوتی ہے رسول پاک کی ایک حدیث میں اس عذاب کی وضاحت کی گئی ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہوتے ہوئے اس کا حق ادا نہ کرے یعنی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن اس سونے چاندی کے پترے بنائے جائیں گے۔ اور ان کو جہنم کی آگ میں یہ تپایا جائے گا گویا کہ وہ خود آگ کے پترے ہیں۔ پھر ان سے اس شخص کی پیشانی پہلو اور پشت کو داغا جائے اور بار بار اسی طرح تپا تپا کر داغ دیے جاتے رہیں گے قیامت کے پورے دن میں جس کی مقدار دنیا کے حساب سے پچاس ہزار سال کی ہوگی اس میں مبتلا رہیں گے اس کے بعد انہیں جانے کا حکم ہوگا یعنی دوزخ میں تو انہیں وہاں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقیر ہرگز ننگے بھوکے ہونے کی تکلیف نہ اٹھائیں گے مگر مالداروں کے ہاتھوں سن لو ایسے مال داروں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا۔ اور انہیں دردناک عذاب دے گا۔

۴۔ عذابِ مہین

عذاب کی ایک اور صورت عذاب مہین ہے جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ	بے شک اللہ تعالیٰ مختال حد غلطی پر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ مال کو خرچ نہیں

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

(پ ۵، النساء ۳۷)

کرتے اور بخل کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں ایسے منکرینِ حق کے لیے ہم نے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

رضائے الٰہی کی خاطر جو شخص اپنے مال کو خرچ نہیں کرتا ماں باپ بیوی اور اولاد کا نان و نفقہ پورا نہیں کرتا عزیزوں کے مصائب میں ان کے کام نہیں آتا یتیم مسکین نادار اور پڑوسیوں کی حاجتیں پوری نہیں کرتا حتیٰ کہ فریضہ زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتا ایسے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ دراصل ان کے مال نے انہیں مغرور کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ اس فضل خداوندی کے حق کو نہیں پہچانتا جو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اگر میں نے تمہیں مال و دولت دیا ہے تو اسے اپنی خوشی سے خرچ کر کے ظاہر کرو اور اپنی ظاہری حالت کو اچھا رکھو اگر ایسا نہیں کرو گے اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی تلقین کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوگا اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

یاد رکھو کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔ یہ عذاب کی وہ کیفیت ہے جو کافروں کے لیے ہے اور اسے عذاب مہین یعنی ذلیل کرنے والا عذاب کہتے ہیں۔ ذلت اور رسوائی بہت ہی بری چیزیں ہیں۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کفر ہے اور کفار کی آخرت میں بہت سخت سزائیں ہوں گی اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو بھی ان کفار جیسی سزا دی جائے گی۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ دینا کتنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے کا یہ طرزِ عمل ان کو آخرت میں کافروں کی صف میں لے جائے گا۔ دنیا میں جب کسی انسان کو سختیں یا جسمانی سزا دی جائے جس سے اس کی عزت میں فرق آجاتا ہے وہ معاشرے میں بدنام ہو جاتا ہے تو یہ اس کی ذلت اور رسوائی ہے۔ مثلاً ایک جیب کترے کا کالا منہ کر کے سڑکوں پہ پھرانا، زانی کو سرِعام لوگوں میں پتھر مار کر ہلاک کرنا، قاتل کو سرِعام پھانسی دینا سب تذلیل آمیز سزائیں تھیں۔ یہ عزت کے

جو کافروں کو بلا ان لوگوں کو جو فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے ایسی سزا دی جائے گی جو
ان کے لیے باعث ذلت اور رسوائی ہوگی۔

دوزخ کے طبقات میں سب سے سخت اور نچلے درجے میں کافروں کو سزا دی جائے
گی اور یہی ان کی ذلت ہے کہ انہیں سب سے انتہا درجے کی سزا دی گئی۔ اس لیے
مسلمانوں کو اس سے بچنے کے لیے چاہیے کہ اپنے اعمال کو درست کریں اور فریضہ زکوٰۃ
کی ادائیگی میں کوتاہ نظری سے کام نہ لیں۔

۵۔ زکوٰۃ نہ دینے پر قارون کا انجام

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تھا
ان کا چچا زاد بھائی تھا دنیاوی علوم میں بہت ترقی کی تھی اور حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام
پر حسد کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے
مجھے تم سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور لوگوں سے
کہنے لگا کہ موسیٰ اس نام سے تمہارے مالوں کو کھانا چاہتا ہے۔ اس نے نماز کا حکم کیا تم نے
برداشت کیا، اس نے اور احکام جاری کیے جن کو تم برداشت کرتے رہے۔ اب وہ تمہیں
زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے اس کو بھی برداشت کرو۔ لوگوں نے کہا یہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا
تم ہی کچھ ترکیب بتاؤ۔ اس نے کہا میں نے یہ سوچا ہے کہ کسی فاحشہ عورت کو اس پر راضی
کیا جائے جو حضرت موسیٰؑ پر اس کی تہمت لگائے کہ وہ مجھ سے زنا کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے
ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ انعام کا وعدہ کر کے اس پر راضی کرلیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر یہ
الزام لگائے۔ اس کے راضی ہونے پر قارون حضرت موسیٰ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ
اللہ تعالیٰ نے جو احکام آپ کو دیے ہیں وہ بنی اسرائیل کو سب کو جمع کر کے سنا دیجیے،
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پسند فرمایا اور سارے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور جب
سب جمع ہوگئے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے احکام سنانے شروع کیے کہ مجھے یہ احکام ملے
ہیں کہ اس کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، صلہ رحمی کرو اور دوسرے احکام گنوائے

جن میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بیوی والا زنا کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے اس پر لوگوں نے کہا اور اگر آپ خود زنا کریں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا اگر میں زنا کروں تو مجھے بھی سنگسار کیا جائے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے (تعجب سے) فرمایا کہ میں نے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں آپ نے اور یہ کہہ کر اس عورت کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تو حضرت موسیٰؑ کے متعلق کیا کہتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی اس کو قسم دیکر فرمایا کہ تو کیا کہتی ہے؟ اس عورت نے کہا کہ جب آپ قسم دیتے ہیں تو بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھ سے تنخواہ (انعام) کا وعدہ کیا ہے کہ میں آپ پر الزام لگاؤں۔ آپ اس الزام سے بالکل بری ہیں یہ سنکر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے سجدہ ہی میں وحی آئی کہ رونے کی کیا بات ہے ہم نے تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے ہم نے زمین پر تسلط دے دیا تم جو چاہو ان کے متعلق زمین کو حکم فرماؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سجدہ سے سر اٹھایا اور زمین کو حکم فرمایا کہ ان کو نگل جا، اس نے پنڈلیوں تک نگل لیا تو وہ عاجزی سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارنے لگے۔ حضرت موسیٰ نے پھر حکم فرمایا کہ ان کو دھنسا دے حتیٰ کہ وہ لوگ گردن تک دھنس گئے۔ پھر بہت ندامت سے وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے غصہ میں یہی فرمایا کہ ان کو لے لے وہ سب کو نگل گئی۔ اس پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے حضرت موسیٰ پر وحی آئی کہ وہ تمہیں پکارتے رہے اور تم بے التفاتی کرتے رہے میری عزت کی قسم اگر وہ مجھے پکارتے اور مجھ سے دعا کرتے تو میں ان کی دعا کو قبول کر لیتا۔

۶۔ زکوٰۃ نہ دینے پر ثعلبہ کا انجام

مدینہ منورہ میں ثعلبہ کے زکوٰۃ نہ دینے کا واقعہ بڑا مشہور ہے جس کا انجام بہت برا ہوا اس کے بارے میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضورؐ! میرے لیے دعا فرمائیں کہ میں مالدار ہو جاؤں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ثعلبہ! اعادی تیری، تھوڑا مال جس کا شکر

کرتے ہو، ایسے بہت سے مال سے بہتر ہے جس کے شکر کرنے کی تو طاقت نہ رکھے۔"
ثعلبہ نے دوبارہ عرض کیا کہ حضور دعا فرمایئے۔ آپ نے پھر سمجھایا کہ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی مانند اپنا مال رکھے؟ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر میں چاہوں تو میرے لیے یہ پہاڑ سونے چاندی کے ہو جائیں۔ تو اللہ کے فضل سے ہو کر میرے ساتھ چلیں۔ ثعلبہ نے پھر عرض کیا قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ اللہ سے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا کرے تو میں ہر حق دار کو اس کا حق پہنچاؤں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ ثَعْلَبَۃَ مَالًا۔ — میرے اللہ ثعلبہ کو مال عطا کر دے۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ پھر ثعلبہ نے کچھ بکریاں لیں۔ اور اللہ کی شان۔ وہ کیڑوں کی طرح بڑھنے لگیں، یہاں تک کہ مدینہ کی آبادی میں اس کا رہنا دشوار ہو گیا۔ پھر وہ باہر وادی میں جا رہا۔ ظہر اور عصر کی نماز تو خدمت سے آکر پڑھتا اور باقی نمازوں میں جماعت چھوڑ دی۔ اس کا مال اور بڑھ گیا۔ اتنی کثرت ہوئی کہ وہ دور جنگل میں چلا گیا۔ اب تو جماعت سے نماز بالکل چھوڑ دی البتہ جمعہ کے روز جماعت میں حاضر ہوتا۔ بکریوں کی کثرت اسی طرح کیڑوں کی طرح جاری تھی یہاں تک کہ مال کی محبت اور کثرتِ مشاغل کے باعث جمعہ بھی چھوٹ گیا۔ آنے جانے والے لوگوں سے راہ میں ملتا اور خبریں دریافت کر لیتا۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ نے کیا کیا؟ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! اس نے بکریاں پالیں اور ان کی کثرت کے باعث اس کو مدینہ میں رہنا دشوار ہو گیا۔ اسی طرح اس کا سب حال بیان کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ثعلبہ تیرے لیے خرابی ہے۔

اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے مالوں میں سے صدقات، زکوٰۃ لینے کا حکم نازل فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ میں سے ایک اور بنو سلیم میں سے ایک آدمی مقرر کیا

اور دونوں کو مسلمانوں سے صدقات لینے کی کیفیت لکھ دی اور ان کو کہا کہ ثعلبہ اور فلاں مرد اسلمی کے پاس بھی جانا اور ان دونوں سے صدقات یعنی زکوٰۃ لے آنا۔

یہ دونوں عامل روانہ ہو کر ثعلبہ کے پاس آئے اور اس کو زکوٰۃ کے لیے کہا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پڑھ کر سنایا۔ اس نے کہا: زکوٰۃ کا مطلب اور کچھ نہیں یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی بہن صدقہ ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ زکوٰۃ کیا ہے، اچھا تو تم جاؤ اور فارغ ہو کر میرے پاس سے ہوتے جانا۔

وہ دونوں مرد اسلمی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اُس نے ان کے آنے اور صدقہ کا حکم نازل ہونے کا حال سُنا تو اپنے اونٹوں میں سے اچھے اچھے صدقہ کے لیے چھانٹ لیے اور لے کر دونوں کا استقبال کیا۔ ان عاملوں نے اونٹوں کو دیکھ تو کہا بھائی! ایسے عمدہ اور اچھے اونٹ چھانٹ کر دینا تم پر واجب نہیں ہے۔ اور ہم تجھ سے یہ نہیں لینا چاہتے۔ اس نے کہا: واجب نہ سہی مگر میرے دل کی خوشی اسی میں ہے کہ لے لو یہ سب زکوٰۃ ہی کے لیے ہیں۔ پھر انھوں نے وہ اونٹ لے لیے اور اسی طرح حکم کے مطابق اور لوگوں سے صدقات لیتے ہوئے پھر ثعلبہ کی طرف لوٹ کر آئے۔

ثعلبہ نے کہا: وہ فرمان تو دکھاؤ۔ جب دیکھا تو اس کو پڑھ کر کہنے لگا: یہ اور کچھ نہیں، یہ جزیہ ہے، یہ اور کچھ نہیں۔ یہ جزیہ کی بہن صدقہ ہے۔ اچھا اس وقت تو تم جاؤ، میں اس بارے میں اپنی رائے سے غور کروں گا۔

وہ دونوں روانہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور ابھی دونوں نے کچھ عرض نہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو دیکھتے ہی فرمایا کہ ثعلبہ کی بربادی آئی۔ اور مرد اسلمی کو جس نے اچھے اچھے اونٹ چھانٹ کر بخوشی خاطر دیے تھے، دعا دی۔

پھر ان دونوں نے سلام عرض کر کے حال بیان کیا کہ ثعلبہ نے ایسا کیا اور مرد اسلمی نے اس طرح صدقہ کے اونٹ بخوشی خاطر ادا سے ہم کو دیے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ
اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ فَلَمَّآ
اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ
وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔
فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ
مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۔
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ
عَلَّامُ الْغُيُوْبِ

(پ۱۰، توبہ: ۷۵ تا ۷۸)

اور بعض ان میں وہ بھی ہیں کہ جنھوں نے اللہ سے
عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال عطا
کرے تو ضرور ہم خیرات (زکوٰۃ) دیں گے اور صالحین
میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب دیا اللہ تعالیٰ نے انھیں
اپنے فضل سے مال تو انھوں نے اس میں بخل کیا
اور اپنے عہد سے پھر گئے اور منہ پھیرنے والے
ہیں۔ اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں
اللہ تعالیٰ سے ملنے والے دن تک نفاق ڈال دیا
کیونکہ انھوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کی
خلاف ورزی کی اور بسبب اس کے کہ جھوٹ بولتے
تھے۔ کیا نہیں جانتے کہ اللہ ان کا بھید اور مشورہ جانتا
ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے غیبوں کا۔

ثعلبہ نے مال سے از حد محبت کی، اور خدا کا حکم آنے پر زکوٰۃ نہ دی، اور خدا سے
وعدہ خلافی کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منافق قرار دیا۔ ارشاد فرمایا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ ..... اور (منافقوں) میں سے بعض وہ شخص ہے
(یعنی ثعلبہ) کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچ
میں لے کر)۔

لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ ..... اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم کو (کثرت
سے مال) دیا۔

لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ..... تو ہم ضرور زکوٰۃ و خیرات دیں گے اور
ضرور ہم صالحین سے ہو جائیں گے (کیسا زبردست عہد کیا ثعلبہ نے صدقہ مفروضہ اور
غیر مفروضہ ادا کرنے کا)۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ ..... پھر جب اللہ نے ان کو کثرت سے مال دیا

تو اس مال سے بخل کر گئے یعنی صدقہ نہ دیا۔
ثعلبہ نے ایسا بخل کیا کہ عاملینِ زکوٰۃ کو کہنے لگا۔ یہ صدقہ کیسا؟ یہ تو جزیہ ہے
زکوٰۃ یا جزیہ کی بہن صدقہ!
وَتَوَلَّوْا ...... اور منہ موڑ لیا اللہ کے حکم سے۔
وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ .... اور حال یہ ہے کہ وہ (منافق) لوگ منہ موڑنے والے ہیں۔
فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ .... پھر وعدہ خلافی کی سزا میں ان کا نفاق ان کے دلوں میں بٹھا دیا۔ ان کے دلوں میں نفاق کا اثر رہا۔
اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ .... ان کے دلوں میں نفاق کا اثر اس دن تک رہے گا کہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے۔ یعنی تا دمِ مرگ۔ الحاصل کہ نفاق پر مریں گے اور نفاق کی سزا پائیں گے۔
منافق نے یہ سزا کیوں پائی۔ ثعلبہ کی موت نفاق پر کیوں ہوگی؟
بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ .... بسبب اس کے کہ خلاف کیا تھا اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس سے۔ اللہ سے عہد کر کے پھر اس کو توڑا۔
وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ .... اور بسبب اس کے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ایک تو اللہ سے وعدہ خلافی کی کہ کہا تھا کہ اللہ اگر کثرت سے مال دے گا تو اس میں سے صدقہ خیرات دیں گے۔ جب اللہ نے بے حساب مال دے دیا تو ثعلبہ نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے کورا جواب دے دیا کہ صدقہ تو جزیہ کی بہن ہے۔ اے عاملینِ زکوٰۃ! تشریف لے جاؤ۔
جب ثعلبہ کی ہلاکت کے یہ مندرجہ بالا آیت آئیں تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کا کوئی قریبی موجود تھا۔ اس نے وحی الٰہی کو سنا اور روانہ ہو کر ثعلبہ کے پاس پہنچا اور کہا۔ اے ثعلبہ! تیرے حق میں قرآن کے اندر یوں حکم نازل ہوا ہے، تیری خرابی ہو تو نے کیا کیا؟۔

یہ سن کر ثعلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا صدقہ قبول کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ پھر ثعلبہ نے اپنے سر پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ حضورؐ نے فرمایا اے ثعلبہ! یہ سب تیرا اپنا کیا ہوا ہے۔ یاد رہے میں نے تجھے حکم دیا تھا، تو نے اس کی اطاعت نہ کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اللہ نہیں چاہتا تھا۔ تو پھر ثعلبہ اپنے ٹھکانے کو پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات میں اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ثعلبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا میری جو عزت حضورؐ کے پاس تھی اور میرا جو مرتبہ انصار میں ہے وہ آپ جانتے ہیں لہٰذا میری زکوٰۃ قبول فرمائیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا صدقہ قبول نہ کیا میں بھی قبول نہیں کروں گا۔ غرض آپ نے انکار کر دیا اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر خلیفۃ المسلمین بنے تو ثعلبہ پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین، آپ میرا صدقہ قبول فرمائیے تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی زکوٰۃ قبول نہیں کی تو پھر میں کیسے تمہاری زکوٰۃ قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کا صدقہ قبول نہ کیا۔ پھر خلافت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اگر اس نے حضرت عثمانؓ سے یہی التماس کی لیکن انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ جسے حضورؐ نے قبول نہیں کیا اسے میں کیسے قبول کروں اس جواب پر وہ اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوا۔ اور آخر کار اسی رنج میں سخت رنج و الم برداشت کرتا ہوا مر گیا۔

ثعلبہ کا واقعہ ہمارے لیے باعثِ عبرت ہے کہ ثعلبہ پانچوں نمازیں اور جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتا تھا۔ آپ کے درس اور خطبات سنتا اور صحبت پاک کا شرف پاتا تھا۔ اس نے مال کی کثرت چاہی اور حضورؐ کی دعا سے اسے بے حساب

مال بل گیا۔ جس اللہ نے اس کو اتنا مال دیا اس نے زکوٰۃ و خیرات کا حکم بھی نازل فرمایا اگر ثعلبہ زکوٰۃ دے دیتا تو اس کا باقی مال پاک ہو جاتا اور بابرکت رہتا لیکن زکوٰۃ نہ دینے کے سبب ثعلبہ ہلاک اور برباد ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس نے نہ تو قرآن کے الہامی ہونے کا انکار کیا، اور نہ حضورؐ کی رسالت کا۔ اور نہ اسلام کو ترک کیا تمام باتیں اس میں بظاہر دوسرے مسلمانوں کی طرح موجود تھیں۔ اس نے کیا تو یہ کیا کہ زکوٰۃ نہ دی۔ اس پر آیت بھی اس کی مذمت میں آ گئی۔ اور اسے منافق بھی کہا گیا۔ اور اس کا انجام بھی ہلاکت ہوا!

آج بھی جو مالدار مسلمان کہلاتے ہیں۔ قرآن اور پیغمبر خدا کی رسالت کو مانتے ہیں لیکن زکوٰۃ نہیں دیتے۔ وہ سوچیں کہ کیسے مسلمان ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والا، آپ کے پیچھے نمازیں پڑھنے والا، اور حضورؐ کی زیارت کرنے والا، زکوٰۃ نہ دینے کے باعث اللہ رسول اور مسلمانوں کی ناراضگی خرید کر اپنی عاقبت برباد کر بیٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔ زکوٰۃ نہ دینے والے غور کریں کہ وہ ثعلبہ کی طرح زکوٰۃ نہ دے کر کس طرح اپنا دین و ایمان سلامت لے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا ثعلبہ کے واقعہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

۷

اسرارِ زکوٰۃ

اسرار سر کی جمع ہے جس کا مطلب راز ہے یعنی زکوٰۃ میں باطنی طور پر جو پوشیدہ بھید ہیں جنہیں اسرارِ زکوٰۃ کہا جاتا ہے اس کا اصل راز تو خدا سے روحانی تعلق ہے جو جو ہمیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ تقاضۂ ایمان ہے کہ انسان میں حبِ الٰہی ہو اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہیے اور یہی محبت دراصل انسانی نفس کی معراج اور مقصود ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہیں یہ مقام حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس راستے میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی آزمائش رکھی ہے اور وہ مال کی آزمائش ہے۔ یہ انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ دنیا کا مال جو اسے بہت محبوب ہے اور جو اس کی محبت چھوڑ کر اللہ کی طرف راغب ہوتا ہے وہی دراصل اللہ کا بندہ بنتا ہے اور اسے ہی اللہ کی بھی محبت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ایک مقام ایسا آتا ہے کہ وہ دنیا کی دولت سے بے نیاز ہو جاتا ہے جس طرح کہ اللہ بے نیاز ہے۔ زکوٰۃ اس مقام تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کے ذریعے انسان کو آزمایا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ اگر تو میری دوستی میں سچا ہے تو اپنی اس محبوب چیز کو مجھ پر فدا کر دے تاکہ میری دوستی میں تجھے اپنے درجہ اور صداقت کا علم ہو جائے۔ جو لوگ اس راز کو سمجھ گئے اور معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئے ان کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ صدیقین کا ہے۔ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب قربان کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم کا خرچ کرنا کیا؟ یہ تو کنجوسوں کا کام ہے۔ یہ نصیب

قربان کر دیں گے جیسے حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں سارا مال لے آئے تو آپ نے پوچھا کہ اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟ حضرت صدیق ؓ نے عرض کیا فقط اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں اور بعض نے نصف مال اللہ کی راہ میں دے دیا جس طرح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہ انھوں نے نصف مال لا کر ڈھیر کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو عرض کیا جتنا یہ لایا ہوں اتنا ہی گھر میں چھوڑا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔

بینکما ما بین کلمتیکما۔ — تم دونوں کے درجات میں بھی ایسا ہی تفاوت ہے جیسے تمہارے کلام میں تفاوت و فرق ہے۔

دوسرا درجہ صالح حضرات کا ہے جنھوں نے اپنا مال ایک بار تو خرچ نہ کیا کہ اس کی انھیں قدرت نہ تھی لیکن اسے محفوظ رکھا اور فقراء کی حاجات کے سلسلہ میں خیرات کی ممکنہ صورتوں کے منتظر رہے اور اپنے آپ کو بھی فقیروں جیسا رکھا اور فقط زکوٰۃ پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ جو محتاج ان کے پاس آیا اسے اپنے اہل و عیال کی طرح سمجھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کی۔

تیسرا درجہ ان افراد کا ہے جو دو سو درہم میں سے پانچ درہم ہی خرچ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں انھوں نے محض فرض کی ادائیگی کا لحاظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوشی سے قبول کیا اور اس کی ادائیگی کا جلدی اہتمام کیا اور زکوٰۃ دے کر فقیروں پر احسان نہیں جتلایا یہ آخری درجہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے دو سو درہم میں سے جو پانچ درہم بھی نہیں دے سکتا وہ بدنصیب اللہ کی دوستی سے محروم ہے اور جو پانچ درہم سے زیادہ نہیں دے سکتا اس کی دوستی بہت کمزور ہے اور وہ سب دوستوں میں بخیل ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق صوفیانہ مسلک

زکوٰۃ کے متعلق اہل روحانیت کا مسلک عام لوگوں سے بالکل مختلف ہے اہل روحانیت اللہ کے خاص اور محبوب بندے ہوتے ہیں اس لیے انھیں دنیا کی دولت سے نفرت ہوتی ہے وہ دنیا کو مُردار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا اکٹھی کرنا اپنے آپ کو اللہ کی محبوبیت اور قربت سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ ان کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع اور دولت حبّ نبی اور عشق رسول ہوتا ہے۔ اور اس دولت کے نشہ میں اتنے سرشار و مست ہوتے ہیں کہ ان کا خیال حصولِ دولت کی طرف جاتا ہی نہیں۔ تاجداروں اور شہنشاہوں کی دولت ان کے سامنے ہیچ ہوتی ہے مگر اللہ ان کو دنیا میں کسی چیز کی کمی نہیں رہنے دیتا دنیا کے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا ہے لہٰذا وہ ان نعمتوں کے حصول سے اللہ کے اتنے شکرگزار بندے بنتے ہیں کہ اپنا تن من دھن اللہ کی راہ میں لٹاتے جاتے ہیں انھیں جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ کی راہ میں قربان کرتے جاتے ہیں۔ اور ایسے زکوٰۃ ہی تصور کرتے ہیں۔ ان کے کردار میں سخاوت اور فیاضی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ اس لیے وہ مال کو اللہ کی راہ میں دینے کے لیے دیر بھی نہیں کرتے اور کسی کام کو کل پر چھوڑنا پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ کیا معلوم کہ کل آنی بھی ہے کہ نہیں۔

فقراء اور صوفیاء کا مشرب ہمیشہ علماء سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق کوئی چیز ملکیت ہی نہیں ہونی چاہیے تاکہ شرعی زکوٰۃ کی ادائیگی سے ہی فرصت رہے۔ اسی لیے تو وہ ہر چیز دوسروں کو دے دیتے ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ طریقہ رہا کہ آپ کے پاس جو کچھ آتا اسے اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتے حتیٰ کہ نصاب زکوٰۃ دینے تک کبھی نوبت ہی نہیں پہنچی آپ کے صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کے نقش قدم پر عمل کیا حتیٰ کہ اللہ کے راستے میں ایک مرتبہ جب خرچ کرنے کا موقع آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر کا سارا مال راہِ اللہ

کے پیسے آگئے۔

صوفیا ہر چیز کی زکوٰۃ دینے کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسروں کو علم کی دولت سے سرفراز کیا جائے۔ جسم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے ہر وقت عبادتِ الٰہی میں مشغول رکھا جائے۔ ہاتھ پاؤں کی یہ زکوٰۃ ہے کہ وہ اطاعتِ الٰہی میں لگے رہیں۔ زبان کی یہ زکوٰۃ ہے کہ وہ ہر وقت حمد و ثنا میں مشغول رہے۔ دل کی زکوٰۃ یہ ہے کہ انسان کا دل عشقِ مصطفےٰ سے بھرا رہے اور معرفت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ہمیشہ وہ نشۂ توحید سے سرشار رہے۔

یاد رکھو مال کی طرح "مرتبہ" پر بھی زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ وہ بھی نعمتِ تام ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حق تعالیٰ نے تمہارے اوپر جاہ و مرتبہ کی زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جس طرح مال کی زکوٰۃ فرض ہے۔" اور نیز فرمایا "ہر چیز کی زکوٰۃ ہے مثلاً گھر کی زکوٰۃ مہمان خانہ ہے۔" زکوٰۃ درحقیقت شکرِ نعمت ہے تندرستی بھی نعمت ہے۔ ہر عضو کی زکوٰۃ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو مشغولِ عبادت رکھے اور صرف لہو لعب کے لیے وقف نہ کرے تاکہ زکوٰۃِ نعمت کا حق ادا ہو۔ باطنی نعمتوں کی بھی زکوٰۃ ہے۔ سب کی حقیقت احاطۂ بیان میں نہیں آسکتی جو چیز بھی کثرت سے ہو اس کی کثرت کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ دراصل ظاہری اور باطنی شکر کا اعلان ہے جب بندہ سمجھتا ہے کہ اس پر نعمتِ حق تعالیٰ بے شمار ہے تو وہ شکرِ نعمت بھی بے حساب کرتا ہے۔ بے حساب شکرِ نعمت بھی بے حساب نعمت ہے۔

اہلِ تصوف کے نزدیک مالِ دنیا کی زکوٰۃ کچھ ایسی قابلِ ستائش نہیں ہوتی۔ بخل انسان کے لیے موجب ہے اور دو سو درہم کا اپنی ملکیت میں سال بھر محفوظ رکھنا کتنا بخل ہے اور اس کے بعد صرف پانچ درہم زکوٰۃ نکالنا؟ اہلِ کرم مال بانٹتے ہیں اور سخاوت کرتے رہتے ہیں۔ زکوٰۃ ان پر کس طرح واجب ہو سکتی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا ہے کہ از روئے شریعت دو سو دینار میں سے پانچ دینار زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اہلِ طریقت کے نزدیک دو سو دینار میں سے

پانچ دینار اپنے پاس رکھنے چاہییں۔ باقی سب کے سب مدِ زکوٰۃ میں صرف کر دینے لازم ہیں۔ لیکن یاد رہے زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے غلام پر فرض نہیں ہے جب تک بندہ بندگیٔ نفس سے نجات نہ پائے اس وقت تک آزادوں کے زمرے میں داخل نہیں ہو سکتا اور جب آزاد ہی نہ ہوا تو اس پر زکوٰۃ کیونکر فرض ہو سکتی ہے۔

بندۂ نفس کو سب سے پہلے بندگیٔ نفس سے آزادی حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ زکوٰۃ حقیقی ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔

نیز زکوٰۃ عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ دیوانہ و نابالغ پر فرض نہیں ہے پس جس شخص پر غفلت و نفسانیت کا دیو سوار ہو اور وہ ہمہ تن نفس و شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو، عارفانِ الٰہی کے نزدیک وہ عاقل و بالغ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ایک نابالغ شیر خوار بچے کی مانند ہے اور اہلِ معرفت کے نزدیک وہ کالعدم سمجھا جاتا ہے۔ اس پر زکوٰۃ حقیقی کیونکر فرض ہو سکتی ہے۔ پس سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ بندۂ نفس نفسانیت کی بے شعوری سے نجات حاصل کرے تاکہ وہ معرفتِ الٰہی کی آزادی اور عقل سے سرفراز ہو کر حقیقی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل بن جائے۔

گنجِ حقیقی کی بجز عارفانِ الٰہی کے کسی کو خبر نہیں ہے۔ گنجِ حقیقی دراصل سرِ ربوبیت ہے۔ اور عارفین کے دل اس سرِ ربوبیت کے گنجینے ہوتے ہیں۔ ان عرفاء پر فرض ہے کہ وہ اپنے گنجینۂ حقیقی میں سے اسرارِ الٰہی کی زکوٰۃ گمراہوں اور نادانوں کو عطا فرما دیں اور گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کی راہنمائی فرما دیں۔ کیونکہ مستحق کو اس کا حق دینا عین زکوٰۃ ہے۔

حضرت بشر بن حارث کہتے ہیں کہ اے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کرنے والو تم بھی احادیث کی زکوٰۃ ادا کیا کرو کسی نے پوچھا کہ حدیث کی زکوٰۃ سے کیا مراد ہے تو آپ نے کہا کہ احادیث کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جا سکتی ہے کہ احادیث جمع کرنے والے ہر دو سو احادیث کے مجموعے میں سے پانچ احادیث نبوی پر عمل کر لیا کریں۔

زکوٰۃ اور اہلِ تقویٰ

مسلمانوں میں سے ایسے لوگ جو شریعتِ محمدی کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں، دن رات احکاماتِ الٰہی کو بجا لاتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ خدمتِ خلق کا جذبہ ان کے ہر فعل سے اُبھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایسے لوگوں کو متقی کہا جاتا ہے۔ جس مسلمان کو اللہ کی قربت کا جتنا زیادہ مقام حاصل ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ متقی ہوگا۔ قرآن پاک میں اس امر پر بہت زور دیا گیا ہے کہ ہر مسلمان تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا کر متقی بنے۔ قرآن پاک کے شروع میں کہا گیا ہے کہ قرآن پاک متقین کے لیے راہنمائی کا ایک خزانہ ہے۔ سورت بقرہ میں متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ متقی لوگ راہِ خدا میں مالی قربانیاں دیتے ہیں اور بے دریغ دینِ حق کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ متقی کے بارے میں عرض کیا جاتا ہے کہ اس کی نیکی یہ ہے کہ وہ متقی اللہ، آخرت ملائکہ، کتابِ الٰہی اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں مسکینوں، مسافروں اور سائلوں پر اپنا مال خرچ کیا۔ غلام آزاد کرنے میں مدد کی اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی اور نیک لوگ وہ ہیں جو عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا کریں۔ مصیبت اور بُرے وقت میں صبر کے ساتھ ڈٹے رہیں۔ ایسے لوگ ہی سچے مسلمان ہیں اور ایسے لوگ ہی متقی پرہیزگار ہیں۔ (سورت البقرہ آیت ۲۲)

تقویٰ اور پرہیزگاری کے راستے ہی کو صراطِ مستقیم کہا جاتا ہے۔ صراطِ مستقیم پہ چلنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ تمام احکاماتِ الٰہیہ پابندی سے ادا کریں۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اسلام کے کچھ فرائض پر تو کاربند ہو جاتے ہیں اور کچھ چھوڑ دیتے ہیں اور ایسا کرنا متقی کے شایانِ شان نہیں۔ ہر مسلمان کو ہر فرض کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

اہلِ تقویٰ اطاعتِ الٰہی میں اتنے پابند ہوتے ہیں کہ وہ دنیا کے کام سرانجام

دیتے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ سورت "نور" میں ہے کہ جو لوگ اللہ
کے نام کو بلند کرنے کا ارادہ کرتے ہیں وہ بیوت اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے
لوگوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے
غافل نہیں کرتی۔ اس سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ انسان اگرچہ کاروبار، تجارت، تعلیم
سیاست، ملازمت، گھریلو ضروریات اور طرح طرح کے دھندوں میں جکڑا ہوا ہے مگر ہر
حال میں اسے اقامتِ نماز اور ادائے زکوٰۃ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور غفلت
اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

یقین کریں کہ جو انسان اللہ کے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ کی رحمت
انھیں غافل نہیں ہونے دیتی۔ وہ دن رات اللہ کے ذکر میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ
کبھی کوئی دنیاوی معاملہ کچھ وقت کے لیے ان کے ذہن پر مسلط ہی کیوں نہ ہو جائے مگر
کچھ دیر بعد ہی اللہ کی رحمت پھر انھیں ذکر و فکر کی طرف لے آتی ہے اور ان کے فرائض
بروقت ہی رحمتِ خداوندی سے ادا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَآءِ الزَّكٰوةِ (پ ۱۸: النور ۳۷)

ایسے لوگوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

زکوٰۃ لینے کے متعلق صوفیاء کا نظریہ

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا ہے کہ صوفیہ مشائخ میں سے بعض نے زکوٰۃ لی ہے
اور بعض نے نہیں لی۔ جنھوں نے فقر از خود اختیار کیا ہوا تھا، زکوٰۃ نہیں لی اور اس
خیال سے کہ نہ ہم مال جمع کریں گے نہ ہمیں زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ اہلِ دنیا سے ہم نہیں
لیتے تاکہ ان کا ہاتھ اونچا اور ہمارا نیچا نہ ہو۔ جن کا فقر مجبوری غربت کی وجہ سے تھا
انھوں نے زکوٰۃ لی اپنی ضرورت کے لیے نہیں بلکہ مسلمان بھائی کی گردن سے فرض کا بوجھ

اٹھانے کے لیے۔ اس نتیجہ کے پیش نظر ان کا ہاتھ نیچا یا دینے والے کا نیچا۔ اگر دینے
والے کا ہاتھ بلند تر ہوتا تو یہ صورت افضل ہوتی۔ بقولہ تعالیٰ۔ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ
"وہ صدقات وصول کرتا ہے" اس طرح لازم ہوتا کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ لینے والے سے
افضل ہے حالانکہ یہ اعتقاد صریح گمراہی ہے۔ ہاتھ اس کا بلند ہے جو واجب کی تکمیل کے
لیے مسلمان بھائی کی گردن سے بوجھ اٹھائے۔ فقراء دنیا دار نہیں ہوتے ان کی نظر
عقبیٰ پر ہوتی ہے اور عقبیٰ پر نظر رکھنے والے اگر اہل دنیا کی گردن سے بوجھ نہ اٹھائیں گے
تو قیامت کے دن اس کوتاہی کے لیے وہ جوابدہ ہوں گے۔ حق تعالیٰ نے اہل عقبیٰ
کا مناسب اور آسان امتحان لیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ اہل دنیا اپنا بوجھ اتار سکیں۔
یقیناً ہاتھ فقراء کا ہی بلند ہوتا ہے۔ جو احکام شریعت کے مطابق اس شخص سے حق
لیتے ہیں جس پر باری تعالیٰ کا حق واجب ہوتا ہے۔ اگر زکوٰۃ لینے والوں کا ہاتھ نیچا
ہوتا ہے حشویہ لوگوں کی ایک جماعت کا خیال ہے تو چاہیے تھا کہ پیغمبروں کا ہاتھ بھی
نیچا ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں سے وصول کرتے ہیں اور حسب شرائط اس کا
صحیح مصرف کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ غلطی پر ہیں اور نہیں جانتے کہ پیغمبر
امر الٰہی کے مطابق زکوٰۃ لیتے ہیں۔ پیغمبروں کے بعد دین کے امام بھی اسی طریق پر
عمل پیرا رہے ہیں اور بیت المال کا حق لیتے رہے ہیں۔ جو کوئی زکوٰۃ لینے والے ہاتھ
کو نیچا اور زکوٰۃ دینے والے ہاتھ کو اونچا سمجھتا ہے۔ وہ سخت غلطی میں مبتلا ہے
ان باتوں کو تصوف میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس موضوع سے جو دوسرا
قریبی تعلق ہے اس لیے میں صدقات کے متعلق بھی کچھ بیان کیے دیتا ہوں۔ توفیق و عصمت
اللہ کی طرف سے ہے

کتاب اللمع میں ہے کہ صوفیہ کا زکوٰۃ کے بارے میں ایک موقف یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ
وصول کرتے ہیں اور نہ کسی سے طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے
زکوٰۃ میں سے حصہ حلال قرار دیا ہے مگر وہ خود ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں
کہ ان کے زکوٰۃ وصول کرنے سے کہیں غریب اور مستحق کا حق نہ مارا جائے کیونکہ

کوئی تکلیف لاحق نہ ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ابو حرب کے ساتھی محمد بن منصور کے پاس جب بھی مال زکوٰۃ یا صدقہ وخیرات سے جایا جاتا اور انھیں علم ہو جاتا تو اسے بہت برے طور سے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرتے۔ کہا کرتے کہ جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے اپنے ساتھیوں کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔ اس پر ان کے دیگر ساتھی بھی خاموش رہتے اور کبھی مال زکوٰۃ میں سے بغیر مانگے ملتا تو بھی قبول نہ کرتے۔

میں نے ایک صوفی کو بچشم خود دیکھا کہ وہ ہر سال ایک ہزار دینار اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتے تھے اور وہ حلفیہ کہتے تھے کہ کبھی انھوں نے اپنی زکوٰۃ میں سے اپنے ساتھیوں پر خرچ نہیں کیا۔

ابو علی انشغولی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صوفیہ پر اس قدر صرف کرتے تھے جس سے مصر کے تاجر بھی حیران تھے۔ اور کہا کرتے تھے جو کچھ وہ ایک بار خرچ کرتا ہے وہ ہمارے مال سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس صوفی پر زکوٰۃ واجب نہ تھی۔

ایک جلیل القدر صوفی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے اور ایک امیر آدمی کے درمیان بڑی دوستی تھی۔ میرے دل میں بھی اس کے لیے محبت و عزت تھی مگر جب وہ زکوٰۃ یا صدقہ تقسیم کرتے وقت مجھے یاد کرتا تو میرے دل میں اس کے لیے محبت اور احترام باقی نہ رہتا۔

میں نے ایک معروف امام کا خط پڑھا جو اس نے ایک مفلس صوفی کے نام لکھا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

اے میرے بھائی! میں کچھ مال آپ کی نذر کر رہا ہوں جو نہ زکوٰۃ ہے اور نہ صدقہ خیرات۔ اور نہ ہی یا شخص کے سوا کسی اور کا مال ہے کہ آپ اس کے ممنون احسان رہیں گے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ اسے قبول فرما کر مجھے مسرور فرمائیں۔ (کتاب اللمع)

۸

وجوبِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی چند شرائط ہیں لہذا جس شخص میں وہ شرائط پائی جائیں اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جس میں وہ شرائط نہیں اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ہر شخص پر واجب نہیں بلکہ صرف ان پر فرض ہے جن پر وجوب زکوٰۃ کی شرائط پوری آتی ہوں۔ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمان ہونا ۲۔ آزادی ۳۔ عقل ۴۔ بلوغت
۵۔ صاحب نصاب ہونا ۶۔ مالک ۷۔ نصاب کا حاجات اصلیہ سے زائد ہونا ۸۔ سال کا گزرنا ۹۔ مال کا قرض سے بے باک ہونا ۱۰۔ مال نامی

اسلمان ہونا

وجوب زکوٰۃ کی پہلی شرط مسلمانی ہے یعنی جو شخص مسلمان ہوگا زکوٰۃ اس پر فرض ہے لہذا غیر مسلم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ اسلام کا نتیجہ ہے اور جو شخص اسلام سے خالی ہو یعنی کافر ہو اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی فریضۂ زکوٰۃ اس پر عائد ہوگا۔ کہ قبولِ اسلام کے بعد غیر مسلم ہونے کے وقت کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اس پہلی شرط کے جواز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

...تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم ایک اہلِ کتاب قوم کے پاس جارہے ہو۔

سے پہلے انھیں اس شہادت کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس گواہی کا اقرار کرلیں پھر ان کو بتانا کہ اللہ نے شب و روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ یہ مان جائیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے غریبوں کو لوٹائی جائے گی۔" (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا فرض مسلمان ہونے کے بعد ہے پہلے نہیں ارکانِ اسلام کا مطالبہ مسلمانوں سے ہے غیر مسلموں سے نہیں۔ چونکہ زکوٰۃ رکنِ اسلام ہے اس لیے کسی غیر مسلم پر فرض نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر نے اسلام قبول کرکے اس کو اپنے اوپر فرض نہیں کیا۔ کیونکہ زکوٰۃ اسلام میں فرض ہے نہ کہ کفر میں۔ البتہ اگر کوئی غیر مسلم از خود زکوٰۃ ادا کرے تو اس کی ادائیگی درست نہ ہوگی کیونکہ قبولیت کی شرط یعنی اسلام نہیں کافر خواہ اصلی کافر ہو یا مرتد قبولِ اسلام سے پہلے کے زمانہ میں کسی عبادت کا مخاطب اور مکلف نہیں۔ اس لیے اس زمانہ کی تلافی کا مطالبہ بھی اس سے نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام جس طرح وجوبِ زکوٰۃ میں شرط ہے اسی طرح بقائے زکوٰۃ میں بھی شرط ہے لہٰذا اگر کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ آزادی

وجوبِ زکوٰۃ کی دوسری شرط آزادی ہے کیونکہ غلام پر زکوٰۃ نہیں۔ بلکہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک شق غلام آزاد کرانے کے لیے ہے۔ [illegible] کے تحت ہر شخص [illegible]۔ آزاد پیدا ہوتا ہے لہٰذا اسے آزادانہ زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں غلامی کا رواج تھا اور یہ رواج ان میں صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کے وقتوں میں

[illegible] لوگ اور قبائل دوسروں کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر ماتحتی میں لے آتے
اور ان سے نوکروں جیسا کام لیتے جو غلامی کی صورت اختیار کر جاتا تھا۔ ان
غلاموں کے ساتھ جو ظلم کیا جاتا تھا گویا کہ انہیں ہر [illegible] انسانی حقوق سے محروم
رکھا جاتا۔ یہاں تک کہ عربوں میں غلاموں کی [illegible]۔ اسلام نے
اس غلامی کی شدت سے مخالفت کی اور لوگوں کو غلامی سے نجات کا درس دیا۔
بلکہ یہاں تک کیا کہ زکوٰۃ کے مال میں سے غلام کو آزاد کرانے کا حکم دیا۔ البتہ
اسلام میں جو جنگی قیدیوں کے بارے میں سلوک کا جو نظریہ ہے وہ غلامی جیسا
ہے لیکن دور جہالت کی غلامی سے وہ بھی بالکل مختلف ہے۔ اس کی وجہ تو
قیدی کی اسلام دشمنی ہے جس کی بنا پر وہ قیدی بنا۔ اس کے باوجود اگر قیدی
تائب ہو کر مسلمان ہو جائے تو اسے دوسرے مسلمانوں جیسے حقوق حاصل ہو
جاتے ہیں اور یہ سبھی کچھ انسان کی اصلاح کے لیے ہے تاکہ وہ صحیح اللہ کا بندہ
بن کر زندگی بسر کرے [illegible] اس لیے غلام پر
[illegible]۔ یہ تو تھا غلامی کے بارے میں اسلام کا طرز عمل۔ اگر کہیں اس کے
برعکس ہو یعنی کوئی جابر شخص یا قوم مسلمانوں کو اپنا غلام بنا لے تو اس صورت مسلمان
زکوٰۃ دینے سے عاجز ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں فریضہ زکوٰۃ ساقط ہو
گا۔ بہرکیف آزادی وجوب زکوٰۃ کی شرط ہے اور یہ فریضہ آزاد آدمی پر ہی عائد
ہوتا ہے۔

۳۔ عقل

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی تیسری شرط عقل ہے کیونکہ عبادت اور بنیادی
امور کو سرانجام دینے کے لیے عاقل ہونا ضروری ہے اس لیے عاقل پر فریضہ
زکوٰۃ عائد ہوتا ہے لہٰذا جو شخص عقل نہیں رکھتا وہ شریعت کے اصولوں کی پابندی
سے قاصر ہوتا ہے اس لیے عقل نہ رکھنے والے پر حقوق و فرائض کی پابندی ساقط ہے

اس وجہ سے [illegible]۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ نماز کی طرح خالص عبادت ہے اور عبادت میں نیت ضروری ہے اور مجنون کی نیت نہیں ہوتی۔ چونکہ اس کی عقل [illegible]۔ اس لیے اس پر عبادت فرض نہیں۔ چونکہ نیت کے نہ ہونے کی بنا پر مجنون پر نماز ساقط ہے۔ اس بنا پر عدم نیت کی وجہ سے مجنون پر زکوٰۃ بھی ساقط ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے [illegible] بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے اور مجنون سے جب تک اُسے افاقہ نہ ہو جائے۔

یہ حدیث حضرت علیؓ سے مروی ہے جسے امام ابو داؤد اور امام نسائی نے اپنی اپنی کتب میں [illegible]۔ اس حدیث سے بھی یہ ظاہر ہے کہ مجنون پر زکوٰۃ نہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص مجنون کے مال پر قابض ہو اور اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھا رہا ہو تو اسے اس مال پر زکوٰۃ دینی چاہیئے۔

جنون دو طرح کا ہوتا ہے ایک طویل، اور دوسرا عارضی۔ طویل جنون وہ ہے جو بلوغت سے پہلے ہی طاری ہو جائے اور لمبے عرصے تک رہے۔ ایسا دیوانہ جب اچھا ہو جائے تو اس سے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جنون کے زمانہ کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ عارضی جنون وہ ہے جو بلوغت کے بعد طاری ہو، اور کچھ عرصے کے بعد درست ہو جائے ایسی صورت میں زکوٰۃ کا شمار اس وقت سے ہوگا جب جنون ختم ہوگا۔

۴۔ بلوغت

وجوب زکوٰۃ کے لیے بلوغت شرط ہونے پر اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ نابالغ بچے پر زکوٰۃ [illegible] لہٰذا اس کے [illegible] کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ محض عبادت ہے [illegible]

نہیں جبکہ البتہ اس کے مال سے اس کا نفقہ، خراج اور صدقۂ فطر [illegible] ہے کیونکہ یہ بندوں کے حقوق ہیں لیکن دیگر آئمہ یعنی حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ بچے پر زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

اسلامی شرع کی رو سے بالغ ہونے تک بچے کے نفقے اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کی تمام تر ذمہ داری والد پر ہے۔ البتہ والد کے فوت ہونے کی صورت میں یتیم بچہ کی کفالت کی ذمہ داری ولی پر عائد ہو جائے گی۔ جو اس کا کفیل بنے گا۔ ان دونوں صورتوں میں بچے پر زکوٰۃ عائد ہونے کی کیفیت مختلف ہے کیونکہ بچہ عموماً والد کے فوت ہونے سے پہلے مال کا وارث نہیں ہوتا اس لیے اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی کیونکہ جب تک کوئی مال کا مالک نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو سکتی ہے البتہ اس صورت پر زکوٰۃ عائد ہو گی جبکہ والد نے اپنے بچے یا بچی کے نام کوئی کاروبار کیا ہو یا بنک میں رقم رکھی ہو اور وہ سال بھر پڑی رہے اور بقدر نصاب ہو۔ یتیم ہونے کی صورت میں اگر بچے کا اثاثہ بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ عائد ہو گی۔ اس کی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی یتیم کا ولی (سرپرست) بنے وہ اس کے مال میں تجارت کرے اور ایسا نہ ہو کہ مال یونہی پڑا رہے اور ادائیگی صدقہ میں ختم ہو جائے۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یتیموں کے مال میں تجارت کرو تاکہ زکوٰۃ اسے نہ کھا جائے۔

امام شافعیؒ نے یوسف بن ماہک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یتیم کے مال کو تجارت میں لگاؤ تاکہ وہ زکوٰۃ اسے نہ

ختم نہ ہو جائے۔

ان احادیث سے یہ بات ظاہر ہے کہ یتیم کے مال سے ولی نفع حاصل کرے اور اس سے زکوٰۃ ادا کرے۔

۵۔ مال کا بقدرِ نصاب ہونا

زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے مال کا بقدر نصاب ہونا ضروری ہے کیونکہ مال کی ایک مخصوص اور معین مقدار پر زکوٰۃ فرض ہے جسے نصاب کہا جاتا ہے۔ یہ نصاب مختلف اموال پر مختلف ہے اور اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔

احادیث کے مطابق حضرت داتا گنج بخش ؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب ۲۰۰ درہم چاندی جو نصبت تمام ہے کسی کے تصرف میں ہوں اور ایک سال گذرنے کے باوجود ان کی ضرورت نہ پڑے تو اس پر پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ بیس دینار سونا بھی نصبت تمام ہے اور اس پر نیم دینار واجب الادا ہے۔ پانچ اونٹ بھی نصبت تمام ہے اور اس پر ایک بھیڑ یا بکری زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ باقی جو اموال اسی طرح ہوں ان پر زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانچ اونٹوں سے کم اور چالیس بکریوں سے کم تعداد پر زکوٰۃ نہیں اور اسی طرح دو سو درہم سے کم چاندی اور بیس دینار سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں۔ اور پانچ وسق سے کم پھل غلہ اور زرعی پیداوار پر زکوٰۃ نہیں
زکوٰۃ کے اس نصاب کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ

شریعت اسلامیہ نے زکوٰۃ کے نصاب میں کھجور اور غلے کی جو مقدار پانچ وسق مقرر کی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ مقدار ایک چھوٹے سے گھرانے کی سال بھر کی ضروریات کے لیے کافی ہے اور چھوٹے سے گھرانے سے مراد ایک میاں بیوی ایک بچہ یا ملازم مراد ہے یا اس جیسے کم افراد کے خاندان مراد ہیں۔ انسان کی زیادہ سے زیادہ مقدار خوراک ایک یا ایک مد ہے اور یہ

مقدار کمائے بھی تو اس میں سے کچھ بچ سکتا ہے اور چاندی کی زکوٰۃ دو سو درہم اس لیے مقرر فرمائی ہے کہ یہ مقدار بھی ایک چھوٹے گھرانے کے لیے ایک سال تک کے لیے کافی ہے بشرطیکہ قیمتوں میں پورا سال تمام علاقے میں استحکام رہے اور اگر آپ ان علاقوں کا جائزہ لیں جہاں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ میں توازن رہتا ہے تو آپ اس اصول کو درست پائیں گے اور اونٹوں کی مقدار پانچ اونٹ اس لیے مقرر کی گئی ہے اور ان پر ایک بکری بطور زکوٰۃ اس لیے رکھی گئی ہے ـــ حالانکہ اصولاً زکوٰۃ کی جنس وہی ہونی چاہیئے جو مال کی جنس ہے ـــ کہ اونٹ ایک بڑی قامت کا جانور ہے اور اس میں بے حد فوائد موجود ہیں اور وہ کھانے، سواری کرنے، دودھ اور نسل حاصل کرنے کے کام آتا ہے اور اس کی اون اور کھال سے انسان گرمی اور حرارت حاصل کرتا ہے اور بعض لوگ اونٹ کی عمدہ نسل کے چند اونٹ پال لیتے ہیں جو بلحاظ فوائد اونٹوں کی زیادہ مقدار کے مساوی ہوتے ہیں۔ احادیث کے مطابق زمانۂ نبوتؐ میں ایک اونٹ آٹھ، دس اور بارہ بکریوں کے مساوی ہوا کرتا تھا۔ اس لیے آپؐ نے پانچ اونٹ بکریوں کے نصاب کے بقدر مقرر فرما دیئے اور ان پر ایک بکری زکوٰۃ مقرر فرما دی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نصاب کی مقدار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقرر فرما دی ہے اس میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں۔

۶۔ نصاب کا مالک ہونا

وجوب زکوٰۃ کے لیے مال کی ملکیت ضروری ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے دنیا کی ہر چیز کا مالک تو اللہ ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عارضی ملکیت عطا کی ہے اور یہ ملکیت ایک نائب کی حیثیت سے ہے تاکہ انسان اس ملکیت سے فائدہ اٹھا سکے۔ شریعت اسلامیہ

میں اس ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی شے کو اپنے قبضۂ تصرف میں لائے اسے دوسروں کی نسبت اس چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہو گیا ہے کیونکہ اس نے وہ چیز کسی عمل کے بدلے میں حاصل کی ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ اس مال پر ہوگی جو کسی کی ملکیت میں ہوگا۔ ملکیت کے ساتھ مال کا قبضۂ تصرف یا دسترس میں ہونا ضروری ہے۔ اس لیے رہن میں رکھی ہوئی چیز پر زکوٰۃ نہیں، کیونکہ رہن رکھی ہوئی چیز قبضۂ تصرف میں نہ رہی۔ اور جس کے پاس رہن رکھی گئی ہو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ چیز اس کی ملک میں نہیں۔ البتہ جب چیز رہن سے چھڑالی جائے اور چیز واپس رہن دینے والے کے قبضے میں آجائے تو اب اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ لیکن سال گزرنے کے بعد عائد ہوگی۔

ایسا مال تجارت جو کسی خریدار نے خرید تو لیا ہو لیکن مال اس کے قبضہ میں نہ آیا ہو تو اس پر زکوٰۃ اس وقت سے لاگو ہوگی جب وہ مال خریدار کے قبضۂ تصرف میں آئے گا۔ مثلاً ایک آدمی نے اگر ۱۰۰ بھینسیں خریدیں لیکن سال بھر وہ فروخت کرنے والے کے پاس ہی رہیں تو خریدار پر زکوٰۃ لاگو نہ ہوگی اور نہ ہی فروخت کرنے والے پر زکوٰۃ عائد ہوگی کیونکہ فروخت کرنے سے اس کی ملکیت نہیں رہی اس لیے اس پر فریضۂ زکوٰۃ عائد نہیں ہو رہا۔

جو مال گم ہو گیا ہو یا کسی نے ناجائز طور پر غصب کر لیا ہو یا کہیں رکھ کر کہیں بھول گیا ہو تو اگر ایسا مال واپس مل جائے تو اس پر اس عرصہ کی زکوٰۃ عائد نہ ہوگی جس میں وہ مالک کے قبضۂ تصرف میں نہیں رہا۔

۷۔ نصاب کا حاجات اصلیہ سے زائد ہونا

[illegible] مال، اصل حاجتوں سے زائد ہو۔ [illegible] سے مراد وہ ضروریات ہیں جو میسر نہ آئیں تو انسان کی زندگی ختم ہونے کے [illegible] پیدا ہو [illegible]۔ لہٰذا اس ضرورت کی رو سے رہنے کے گھر، پہننے کے کپڑے اور

گھر کے استعمال کی اشیاء، سواری کے جانور اور استعمال ہونے والے ہتھیار، پیشہ وروں کے اوزار، اہل علم کی کتابیں، اپنے یا اہل وعیال کے کھانے کے کام آنے والے غلہ اور آرائش کے برتن، فرنیچر، جواہرات، موتی ان سب پر زکوٰۃ نہیں ہے چاہے وہ کتنی ہی قیمت کے کیوں نہ ہوں اور چاہے روزانہ کام میں آتے ہوں یا کبھی کبھار، یا بالکل کام میں نہ آتے ہوں، صرف گھر کی سجاوٹ کے لیے ہوں۔

دستکاروں اور پیشہ وروں کے جو آلات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں وہ صرف وہی ہیں جن سے کام لیا جاتا ہے اور وہ فروخت کر کے نفع کمانے کی غرض سے نہ ہوں۔ اور اگر فروخت کے لیے ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے جبکہ بقدر نصاب اور مدت نصاب کی شرط پائی جائے مثلاً رنگریز جو اجرت لے کر کپڑے رنگتا ہے۔ اگر اس کے پاس اتنا رنگ ہو جس کی مالیت بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر گیا تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ اس کی فروخت سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر چمڑے کو دباغت دینے والے نے دباغت میں استعمال ہونے والا تیل یا کیمیکل خریدا اور وہ بقدر نصاب ہو اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ اگر وہ چیز ایسی ہے کہ اس کا اثر معمول میں نہیں رہتا تو اس پر زکوٰۃ نہیں جیسے دھوبی کے لیے صابن، اور لوہاروں اور بڑھئیوں کے اوزار، درزی کی مشینوں میں زکوٰۃ نہیں ہے چاہے وہ کتنی ہی مالیت کے ہوں۔

عطاروں کی شیشیاں، مرتبان، حلوائیوں کے ڈبے وغیرہ اور تجارت کی غرض سے خریدے گئے گھوڑے، اونٹ اور گدھوں کی لگامیں، نکیل اور جھول و پٹے وغیرہ اگر اس غرض سے خریدی گئی ہوں کہ یہ بھی دواؤں یا مٹھائی وغیرہ یا ان جانوروں کے ساتھ ہی قیمت پر فروخت کی جائیں گی تو ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

کتابوں پر زکوٰۃ واجب نہیں چاہے وہ شخص ان کتابوں سے استفادہ اہل ہو یا نہ ہو، اور چاہے وہ کتنی ہی قیمت کی ہوں۔ بشرطیکہ وہ تجارت کی غرض سے نہ خریدی گئی ہوں۔ البتہ کتابوں کے سلسلے میں مصارف زکوٰۃ کی حیثیت سے یہ تفصیل قابل لحاظ ہے کہ کتابوں کا مالک اہل علم ہے اور پڑھنے پڑھانے کی اس کو ضرورت رہتی ہے تو اگر اس کے پاس کتابوں کے علاوہ اور کوئی مال بقدر نصاب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، اور اگر کسی کو ان کتابوں کی ضرورت نہیں پڑتی اور وہ کتابیں بقدر نصاب کی مالیت کی ہیں تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

۵۔ سال کا گزرنا!

زکوٰۃ ایک سال کے بعد فرض ہوتی ہے اور اس موضوع پر فرضیت زکوٰۃ کے باب میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ ایک سال گزرنا وجوب زکوٰۃ کی شرائط میں سے ہے۔ سال گزرنے کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مال پر آپ کی ملکیت بارہ اسلامی مہینے قائم رہے۔ اس شرط کا نفاذ مویشی، سونا، چاندی اور نقدی وغیرہ پر ہے۔ زرعی پیداوار پر اس شرائط کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ اس کی زکوٰۃ فصل پر ہے۔ اس شرط کے متعلق فقہی مسائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سال کے شروع اور آخر میں مال نصاب پورا ہو تو درمیان سال میں کمی کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔

۲۔ شروع سال میں سونے چاندی، روپیہ پیسہ کا یا مال تجارت کا نصاب پورا ہو تو درمیان سال میں باہم تبادلہ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مثلاً سارے سونے کی چاندی کر لی یا برعکس یا سارے سونے اور چاندی کی نقد رقم کر لی یا سارا روپیہ پیسہ، سونا چاندی کا مال تجارت کر لیا تو سال کے حساب میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ سائمہ جانوروں کو ان کی جنس یا غیر جنس سے بدلہ تو سال کا حکم منقطع ہو جائے گا۔

۳۔ اگر شروع سال میں نصاب سے کم مال ہو اور درمیان سال میں مل مل کر نصاب پورا ہوتا ہو تو اس میں سال اسی وقت سے شروع ہوگا جب نصاب پورا ہوا ہو۔ البتہ شروع سال میں مال بقدر نصاب تھا۔ پھر درمیان سال میں کل مال میں سے کچھ ضائع ہو گیا۔ اس کے بعد کچھ اور مال مل گیا جس سے نصاب پورا ہو گیا تو یہ مال پہلے مال میں ملا لیا جائے گا اور سال جاری رہے گا بشرطیکہ سارے کا سارا مال ضائع نہ ہوا ہو۔ اگر سارا مال ضائع ہو گیا تو اب جس وقت بقدر نصاب مال نئے حاصل ہوگا اسی وقت سے سال شروع ہوگا۔

۴۔ سال پورا ہونے کے بعد جو مال حاصل ہوگا وہ اگلے سال میں شمار ہوگا البتہ سال کے درمیان حاصل ہونے والا مال پہلے مال میں شمار ہو کر آخر سال پر سب کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

۹۔ مال کا قرض سے مبرا ہونا

اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر اتنا قرض ہے جتنے کا مال اس کے پاس ہے۔ یا اتنا قرض ہے کہ اگر قرض کی رقم اس سے منہا کر دی جائے تو بقایا مال نصاب سے کم رہ جائے۔ ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اس قرض میں دونوں قرض شامل ہیں جو فوری دینا ہو یا ایک مدت کے بعد دینا ہو۔

مانع زکوٰۃ وہ قرض ہے جس کا مطالبہ لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہو، خواہ وہ قرض بندوں کا ہو جیسے قرض یا قرض پر خریدی ہوئی چیز کی قیمت یا اللہ کا ہو۔ جیسے زکوٰۃ یا خراج مثلاً کسی پر زکوٰۃ واجب ہوئی مگر اس نے ادا نہیں کی اب اگر دوسرے سال اتنا مال ہو کہ سال گذشتہ کی زکوٰۃ ادا کرے تو باقی مال نصاب سے کم رہ جائے تو دوسرے سال کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ زکوٰۃ اور خراج گو اللہ کا قرض ہے مگر حاکم ان کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو اللہ کے قرض ہیں جیسے نذر، کفارہ، حج کا قرض گو آخرت میں اللہ تعالےٰ کی

طرف سے ان کا مطالبہ ہوگا مگر کوئی بندہ ان کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس لیے یہ قرض مانع زکوٰۃ نہیں، اسی طرح صدقہ فطر اور حج تمتع کی قربانی کا دین بھی مانع زکوٰۃ نہیں ہے۔

بیوی کا مہر بھی مانع زکوٰۃ ہے چاہے وہ معجل عند الطلب ہو یا مؤجل ہو قرض مانع زکوٰۃ اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ قرض زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے ہو، اگر سال گزر گیا اور پھر وہ قرضدار ہوا تو یہ قرض مانع زکوٰۃ نہیں۔ وہ زکوٰۃ اس کو دینی ہوگی ساقط نہیں ہوگی۔

شروع سال میں قرضدار نہیں تھا درمیان سال میں قرض کی وجہ سے نصاب پورا نہ رہا تو اگر سال کے آخر تک یہی صورت رہی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن اگر سال ختم ہونے سے پہلے اتنا مال اور مل گیا کہ قرض نکال کر باقی مال بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اگر کوئی مقروض ہے، اور وہ چند نصابوں کا مالک بھی ہے مثلاً روپیہ پیسہ بھی بقدر نصاب ہے، مال تجارت کا بھی نصاب پورا ہے اور جانور بھی بقدر نصاب ہیں تو روپیہ پیسہ کا نصاب قرض میں شمار ہو کر باقی نصابوں کی زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر قرض روپیہ پیسہ دے کر بھی باقی بچے تو مال تجارت میں قرض شمار ہوگا اور جانوروں کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

جب قرض ختم ہو جائے اس وقت سے سال شروع ہونے کا حساب لگایا جائے گا۔ لقطہ پڑی ہوئی چیز اٹھانا۔ مانع زکوٰۃ نہیں، لقطہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا اعلان برابر اعلان کرے۔ جب یہ گمان غالب ہو جائے کہ اب اس کا حقدار معلوم نہیں ہو سکتا تو اگر خود محتاج ہے تو اپنے استعمال میں لے آئے یا کسی محتاج کو دے دے لیکن اگر خرچ کرنے کے بعد اس کا حقدار پیدا ہو جائے تو اٹھانے والا اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ یہ ضمان و ذمہ داری مالک کے پیدا ہونے سے پہلے مانع زکوٰۃ نہیں۔ جب حقدار پیدا ہو جائے گا اس وقت سے وہ قرض ہو کر مانع

زکوٰۃ ہو جائے گی۔

۱۰۔ مال نامی!

زکوٰۃ واجب ہونے کی ایک شرط مال نامی ہے یعنی نامی کے معنی ہیں بڑھنے والا۔ مال کا بڑھنا یا تو فعل تجارت سے ہوگا یا افزائش نسل کے لیے جنگلوں میں جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ دینے سے ہوگا یعنی جنگل میں وہ آزادی کے ساتھ رہیں اور ان کی نسل بڑھے ترقی اور بڑھنے کے لیے یہ دو فعل موثر ہیں لہذا مال تجارت اور چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ لازم ہوگی یا وہ چیز خلقی طور پر نامی ہو یعنی بڑھنے اور ترقی کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہو اسے خلقی نامی مال کہا جاتا ہے۔ جیسے سونا۔ چاندی اگرچہ تجارت کے لیے نہ ہو بلکہ گھر میں پہننے اور رکھنے کے لیے ہو جب بھی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ یہ دونوں بذات خود تو اس لائق نہیں کہ انسان کے کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی ضروریات میں کام آسکیں بلکہ اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ انسان ان سے اپنی ضروریات کی اشیاء خریدتا ہے پس ان دونوں میں ہر صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی چاہے تجارت کی نیت سے رکھے چاہے خرچ کرنے یا خزانہ کرنے کی نیت سے!

ان دونوں کے علاوہ باقی سب مالی چیزیں فعلی ہیں۔ یہ چیزیں اس لیے پیدا تو نہیں کی گئی کہ یہ دوسری چیزوں کے لیے قیمت بن سکیں مگر ان سے یہ کام بھی لیا جا سکتا ہے۔

مال نامی تین قسم کا ہے۔ (۱) سونا چاندی (۲) مال تجارت (۳) سائمہ یعنی چرنے والے جانور لہذا زکوٰۃ ان تینوں مالوں کے سوا کسی اور میں نہیں مگر سونے چاندی میں بڑھنے یعنی نمو اور ترقی حاصل کرنے کی جب ہی صلاحیت ہو گی کہ وہ اس کے یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہو مگر وہ مال جو زیر زمین دفن ہے اور جگہ معلوم نہ رہی تو اس کی نمو اور ترقی معدوم ہو گئی۔ لہذا نامی نہ

رہنے کے سبب اس مال میں زکوٰۃ نہیں رہی۔ اسی حکم میں وہ قرض اور مال مغصوب ہے جس پر کوئی گواہ نہ ہو۔

مالِ تجارت پر زکوٰۃ ہے لیکن مالِ تجارت، تجارت کا مال اس وقت بنے گا جب بوقتِ خرید تجارت کی نیت ہو اور وہ مال کے بدلہ میں ہو لہٰذا صدقہ، ہبہ، میراث اور وصیت کا مال کہ اس میں سرے سے مال کا بدلہ ہی نہیں ہے اور مہر، بدل خلع، قتلِ عمد کی صلح میں مال کہ اس میں مال کے بدلہ میں مال نہیں ہے لہٰذا یہ مالِ تجارت نہیں کہلائے گا اگرچہ اس میں ان مالوں کے ہاتھ میں آنے کے وقت تجارت کی نیت بھی کر لی جائے تب بھی یہ مالِ تجارت نہ بنے گا۔

اگر قرض پر عادل گواہ موجود ہیں۔ قرضدار نے کئی سال کے بعد یہ مال قرض خواہ کو دیا تو گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ کیونکہ اس زمانہ میں مال معدوم نہیں سمجھا جائے گا بوجہ گواہ موجود ہونے کے۔ نمو اور ترقی کا امکان بھی ختم نہیں ہوا لہٰذا مال نامی ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ ہاں قرضدار بھاگ گیا جس کو طلب نہیں کر سکتے یا مال گم ہو گیا جس کا پتہ نہیں اگر وہ مال مل گیا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں کیونکہ نمو اور ترقی اور استفاع اس سے ناممکن ہو گیا تھا اس لیے نامی کے حکم میں نہیں رہا۔

۹

نصابِ زکوٰۃ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علم کے بغیر عمل ممکن نہیں یعنی دینی علم کا حصول مذہب اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہر ایک کو اپنے دینی عقائد، عبادات اور معاملات کا علم حاصل کرنا چاہیے تاکہ مشکلات عملی زندگی پر آسانی عمل کیا جا سکے لیکن ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم میں کتنے ہیں جن کے دل میں علم الدین حاصل کرنے کی بھی تڑپ ہے جو کہ تشنہ علم ہیں ساقی تو جام علم لیے بیٹھے ہیں مگر پیمانہ علم پینے والا ہی نہیں۔ اے مسلم حرصِ دنیا کو چھوڑ سچائی کا طالب بن علم قرآن حاصل کر فرقان کی شمع جلا اپنے سینہ کو نورِ حق سے منور کر اور پھر اسوۂ رسولؐ پر عمل پیرا ہو جا اسی میں تیری نجات ہے اور اسی میں دین و دنیا کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

فریضہ زکوٰۃ دین کے بنیادی ارکان سے ہے چنانچہ اس فرض کو پورا کرنے کے لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فریضہ کی فرضیت، نیت نصاب اور مسائل سے آگاہ ہو۔ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے نصاب کا جاننا بہت ضروری ہے کہ مال و زر کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہے وہ زکوٰۃ کیا دے گا جو نصاب زکوٰۃ سے آگاہ نہیں۔ یوں تو ہر مسلمان کو علم الزکوٰۃ کا مکمل علم حاصل کرنا چاہیے۔ لیکن عوام الناس ایسا نہیں کرتے تاہم ہر خاص و عام کے لیے فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اس کے موٹے موٹے اصولوں کو ضرور جاننا چاہیے کیونکہ روزمرہ کی زندگی میں اس کا بے حد دخل ہے۔

علم الدین کے حصول کا عملی نمونہ تو صوفیا کرام، بزرگان دین اور علمائے حق کی زندگی ہے جو اپنی ساری زندگی اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہی وقف کر دیتے

ہیں۔ ان کے دل میں جب علمِ حق کی تڑپ اٹھی نہ رات دیکھی نہ آرام تلاش کیا نہ مال و
متاع کی حرص کو جنم دیا اللہ کے بھروسے پر اللہ والوں کو ڈھونڈنے چل دیئے کئی
کئی میل کا پیدل سفر کرکے اہلِ نظر کی صحبت میسر آئی۔ پھر سالہا سال خدمت
میں گزار دیئے آخر کار رحمتِ خداوندی جوش میں آئی ڈھونڈنے والے کی منزل مل
ہو گئی اور اہلِ نظر کی محفل سے صاحبِ نظر بن کے نکلے علمِ شریعت کا بھی نزول
گیا اور معرفتِ الٰہیہ سے بھی سیراب ہوئے اور یاد رکھیئے کہ علماء کی نسبت کسی اللہ
والے سے زیادہ اسرارِ شریعت اور جذب و مستی کا حصول ہوتا ہے۔ کیونکہ اہلِ
اللہ بے نظیر کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے صاحب دل لوگ مسلمانوں میں معدودے
چند ہی ہوتے ہیں کیونکہ ان کی زندگی علم اور عمل کا ایک حسین امتزاج ہوتی ہے۔
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ صحابہ کرامؓ نشۂ توحید سے سرشار
تھے رات دن مسجدِ نبوی میں علمِ دین کے حصول کے لیے صحابہ کرامؓ کا تانتا بندھا
رہتا آفتابِ رسالت نے دینِ اسلام کے علم و عرفان کا سمندر بہا دیا۔ ان کی
زندگی کا لمحہ لمحہ یادِ الٰہی اور صحبتِ دانائے کرمن میں گزرا۔ اور وہ فیضانِ نظر ہی
تھا کہ مسلمانوں نے ایک قلیل عرصہ میں تمام دنیا پر نقارۂ توحید بلند کر دکھایا۔ یہ
علم و عمل کا اعجاز ہی تھا کہ مدینے کی گلیوں اور بازاروں میں مسلمان صاحبِ نصاب
لوگ زکوٰۃ دینے کے لیے مستحقین کو ڈھونڈتے پھرتے تھے مگر زکوٰۃ لینے والا
کوئی نہ رہا۔ یہ اللہ کی خاص عنایت اور بخشش تھی کہ وہ مٹھی بھر مسلمان جنہوں نے
اللہ اور اس کے رسول کی خاطر گھر کو الوداع کہا تھا۔ وہ تاجدار بن گئے۔ لیکن
جوں جوں مسلمان عشقِ مصطفےٰ سے دور ہوا تو اس کے علم اور عمل میں تضاد آگیا
روحانیت کی راہ کو چھوڑ کر مادیت کا پجاری بن گیا اور خاص کر صنعت و حرفت
کے ساتھ مجبوری و ہر انسان مادیت کی طرف اتنا راغب ہوا ہے کہ اس کے حصول
کی خاطر دن رات وقف کر رکھا ہے اسے اتنی فرصت کہاں کہ وہ دین کی تعلیم
میں دلچسپی رکھے۔ اگرچہ دنیاوی کام کاج اور صنعت کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے

کیونکہ اسلام کی برتری اور سیادت قائم رکھنے کے لیے مسلمانوں کے لیے علم جدید کا حصول بھی نہایت ضروری ہے۔ لیکن بنیادی طور پر اس کی نظر کا مرکز اس کی سوچ کا دھارا اس کے جذبات کی تسکین دینِ اسلام میں ہونی چاہیے کیونکہ اے مسلم اسے چھوڑ کر پھر تیرا کوئی سہارا نہیں۔ مسلمانوں کی ذلت اور رسوائی کی وجہ بھی یہی ہے کہ مسلمان دینِ حق سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے اور جن لوگوں کے پاس دین کا تھوڑا بہت علم ہے وہ عمل سے خالی ہیں۔

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی جہالت کا مرتکب ہو اور یہ کہے کہ میرے پاس مال ہی نہیں لہذا مجھے زکوٰۃ سے متعلق علم کی ضرورت نہیں تو یہ سخت غلطی ہے علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور علم سے لاپرواہ ہونا کفر ہے۔ دورِ حاضر کی خرابیوں میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ نیکی اور فقر کے مدعی اپنی جہالت میں رہ کر علم سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ایک موقع پر میں بعض صوفیوں کی ایک جماعت کو فقہ پڑھا رہا تھا۔ ایک جاہل آ گیا۔ اس وقت اونٹوں کی زکوٰۃ پر مسائل بیان ہو رہے تھے اونٹ کے تین سالہ، دو سالہ اور چار سالہ بچے کا ذکر تھا وہ جاہل تنگ آ گیا اور اٹھ کر کہنے لگا میرے پاس کوئی اونٹ نہیں کہ مجھے اونٹ کے تین سالہ بچے وغیرہ کا علم درکار ہو۔ میں نے اسے سمجھایا بھلے آدمی جتنا علم زکوٰۃ دینے کے لیے درکار ہے اتنا ہی زکوٰۃ لینے کے لیے بھی چاہیے۔ اگر کوئی شخص تجھے اونٹ کا تین سالہ بچہ دے تو تجھے بھی تین سالہ بچے سے متعلق علم ہونا چاہیے اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور وہ مال کا ضرورتمند بھی نہ ہو تو بھی علم کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی۔ جہالت سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

علم نصاب سے غفلت اور دوری کا نتیجہ ہے کہ بے شمار لوگ مالدار ہیں جن کے پاس بے پناہ دولت ہے۔ ان کے کاروبار اچھے چلتے ہیں سرمایہ کاری چلتی ہے ان پر فریضہ زکوٰۃ عائد ہوتا ہے لیکن وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔

اس کی اصل وجہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی کمی ہے۔ مسلمان کے دل
میں نہ خوفِ خدا رہا ہے اور نہ حبِ دین۔ جب یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں تو انسان
کوشش کر کے بھی دین کا علم حاصل کرتا ہے اور ہر صورت میں احکامِ خداوندی بجا
لاتا ہے۔ اتنا تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ جب اس کے پاس مال و زر ہوگا تو اُسے
زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ مال و دولت کی جن صورتوں پر زکوٰۃ فرض ہے ان میں بیشتر
صورتیں تو دورِ نبوی میں موجود تھیں۔ ان میں سونا چاندی، نقد مال مویشی، مدفون
خزانہ، مال تجارت وغیرہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے
زمانہ میں احکامات کی تکمیل ہوگئی اور اس کے واضح احکامات احادیث کی کتب
میں موجود ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل کے
باعث بے شمار نئی چیزیں ایجاد ہوئیں زندگی کی اقدار میں تبدیلی پیدا ہوئی مادہ
پرستی کے باعث مشینوں کا رقص انسان کی زندگی میں آیا تجارتی لین دین میں
کئی نئے تقاضے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ہر دور میں ائمہ مجتہدین نے قرآن و
سنت کی روح کے مطابق نئی اشیاء کی جزویات پر زکوٰۃ کے احکامات جاری
کیے لیکن اشیاء پر نصاب کی بنیاد وہی رہی اور ہمیشہ وہی رہے گی جو سنتِ رسولؐ
اور احادیث میں مذکور ہے۔

ائمہ اربعہ کے مسالک میں بنیادی طور پر جن اشیاء پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے
احکامات موجود ہیں۔ اگرچہ بعض معاملات کی جزویات میں کہیں کہیں اختلاف ہے
مگر بنیادی طور پر ائمہ کا مسلک کتاب و سنت کی پیروی ہے۔

انسانی سرمایہ عموماً نقد مال، سونے چاندی، مال صنعت و تجارت، معدنی دولت
اموالِ مویشیاں اور زرعی پیداوار ہے دولت کے ان تمام ذرائع پر زکوٰۃ کا اطلاق
ہوتا ہے۔ ان اشیاء کی پیدائش، لین دین اور صنعت میں کافی فرق آچکا ہے
لہٰذا ان بدلے ہوئے تقاضوں کے مطابق نصاب زکوٰۃ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ نقد مال و دولت پر زکوٰۃ

انسان دنیا میں مختلف مقامات پر بسیرا کیے ہوئے ہے۔ ہر ملک میں کوئی نہ کوئی سکہ رائج ہے جس کے عوض انسان اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء خریدتا ہے۔ رائج الوقت سکے کا انسان کے پاس ہونا نقدی کہلاتا ہے۔ اس نقدی میں دھات کے سکے کاغذی نوٹ چیک پرومزری نوٹ ڈرافٹ وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔ نقد مال خواہ اپنے پاس رکھا ہو یا بنک میں جمع کروایا یا دفن کر کے خزانہ بنایا ہو یا کسی کو قرضہ دیا ہو تو مسلمان کی ایسی نقدی پر زکوٰۃ فرض ہو گی بشرطیکہ نقد سکہ نصاب کی مقررہ مقدار جتنا ہو یا اس سے زائد ہو۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں میں جو سکے رائج تھے وہ سونے اور چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ آپ کے دور میں سونے کا سکہ دینار کی صورت میں تھا اور چاندی کا سکہ درہم کی صورت میں تھا۔ یہ سکے روم اور ایران کے ملکوں سے بذریعہ تجارت آتے تھے لیکن ان کے اوزان مختلف ہوا کرتے تھے اس لیے اہلِ مکہ ان سے گن کر لین دین نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اشیاء کی خرید و فروخت میں ان کے وزن سے معاملے کرتے۔

اہلِ عرب کے اوزان میں ایک وزن رطل تھا جو بارہ اوقیہ کا ہوتا تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا اور ایک نش بیس درہم یعنی نصف اوقیہ کا اور ایک نواۃ پانچ درہم کا ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پیمانوں کو برقرار رکھا اور فرمایا کہ اہلِ مکہ کے اوزان ہی جاری رکھے جائیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے دینار و درہم پر زکوٰۃ بھی مقرر فرمائی گویا آپ نے سونے اور چاندی کو شرعی زرِ نقد تسلیم فرما کر ان پہ بہت سے احکام جاری فرمائے۔

نقد مال کا نصاب اسلام میں نقدی کا نصاب ۲۰۰ درہم یا ساڑھے باون تولے یا ۶۱۰ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہے۔ یعنی جب کسی شخص کے پاس اتنے روپے ہوں جن سے ۶۱۰ گرام چاندی خرید سکتا ہے تو اس جمع شدہ نقدی پر پورا سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی نقدی کا نصاب ۲۰۰ درہم چاندی کے وزن کی قیمت کی بجائے ۷½ تولے سونے کے وزن کی قیمت بھی قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے لیکن ان دونوں یعنی سونے یا چاندی میں سے جس کی قیمت کم ہوگی اس دھات کے حساب سے نصاب شمار کیا جائے گا۔ عموماً چاندی کی قیمت سونے سے کم ہوتی ہے۔ اس لیے چاندی کے حساب سے کیا جائے۔ کیونکہ اس طرح وجوب زکوٰۃ مطلق عائد ہوتی ہے۔ رسول اکرمؐ کے زمانہ میں سونے اور چاندی کی قیمت میں ایک اور سات کی نسبت تھی۔ اس لیے اس زمانہ میں دونوں میں کوئی دھات بھی علی زکوٰۃ کے شمار کے موضوع میں ہوئی جاتی تو قیمت ایک ہی آیا کرتی تھی۔ لیکن اب سونے کی قیمت اور چاندی کی قیمت میں کئی گنا فرق آگیا ہے۔ اس لیے چاندی کی مقدار کو بنیاد نصاب مقرر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کی تائید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے مال کا اندازہ کرکے دوسو درہم چاندی پر پانچ درہم زکوٰۃ ادا کی جائے۔ مال میں دوسرے مال کے علاوہ نقدی بھی شمار کی جاتی ہے۔ نقدی کی شرح زکوٰۃ ۴۰ چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد ہے۔

۲- مخلوط نقدی کسی کے پاس کچھ نقد روپیہ، کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے لیکن علیحدہ علیحدہ ان میں سے کوئی بھی مقدار نصاب کو نہیں پہنچتی تو اس سونے چاندی اور نقدی کی قیمت ملا کر ۶۱۰ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے یا اس سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۳۔ مقدار نصاب سے کم یا زیادہ کی صورت

کسی کے پاس نقد مال آغاز سال میں مقررہ نصاب سے زائد تھا پھر دوران سال کسی وقت نصاب سے قدرے نقدی کم ہو گئی لیکن سال کے آخر میں پھر نصاب کی مقدار کے برابر یا زائد مال ہو گیا تو اس صورت میں سال گزرنے کے بعد جو روپیہ جمع شدہ ہوگا اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۴۔ سال ختم ہونے سے پہلے نصاب کا کم ہو جانا

کسی شخص کے پاس آغاز سال میں نقد مال بقدر نصاب تھا لیکن سال ختم ہونے سے پہلے اس کا وہ مال نصاب سے کم ہو گیا تو وجوب زکوٰۃ ختم ہونے سے زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

۵۔ حج کی رقم پر زکوٰۃ

بعض مسلمان حج کو نہایت ہی مقدس فریضہ تصور کرتے ہوئے اس کے لیے جمع شدہ رقم کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ خیال کرتے ہیں لیکن یہ کم علمی ہے۔ حج کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جب کسی شخص کی رقم حج کے لیے جمع کرتے ہوئے نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے بشرطیکہ ایک سال گزر چکا ہو۔

۶۔ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم

جو لوگ حفاظت کے لیے اپنی دولت بنک یا ڈاکخانے میں رکھتے ہیں تو اس پر ۲½ % کے حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی مگر ایک سال کی مدت تک مال کا جمع رہنا شرط ہے۔ یہ احتیاط لازم ہے کہ بنک اکاؤنٹ پر اسلامی نقطۂ نظر سے سود حرام ہے اس لیے بنک میں جمع شدہ نقدی میں زکوٰۃ دینے کے لیے سود کا شمار رقم میں نہ کیا جائے۔

۷۔ بانڈ یا سیونگ سرٹیفکیٹ

انعامی بانڈز اور سیونگ سرٹیفکیٹ کی نوعیت بھی نقدی جیسی ہے ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی بشرطیکہ وہ نصاب کی حدود میں آتے ہوں ایسے بانڈز یا سیونگ ...

سرٹیفکیٹس جو سال بھر خرید کر پڑے رہیں تو ان پہ زکوٰۃ فرض ہو گی مگر مسلمان کے لیے سود سے ہر ممکن کوشش سے بچنا از حد ضروری ہے۔

۸۔ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ حکومت اپنے ملازمین کی فلاح و بہبود کے لیے ہر ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ مقررہ شرح کے حساب سے تنخواہ سے کچھ رقم اپنے پاس رکھ لیتی ہے اور ریٹائر ہونے پر ملازم کو وہ رقم واپس دی جاتی ہے تاکہ اس کے کام آ سکے۔ اس کی صورت بھی نقدی کی سی ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کو اپنے دوسرے مال میں جمع کر کے دیکھیے اگر نصاب کی حدود لاگو ہوتی ہیں تو اس پہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اگر صرف پراویڈنٹ فنڈ ہی ہے تو جب وہ نصاب کی حد کو پہنچے گا تو اس پر زکوٰۃ لاگو ہو گی۔ اگر ہر سال اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے تو جب پراویڈنٹ فنڈ واپس ملے تو پچھلے سالوں کا حساب کر کے ایک بار اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے سود کو اصل میں شمار نہ کیا جائے کیونکہ اسلامی ضابطہ حیات میں سود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۹۔ قرضہ حسنہ پر زکوٰۃ قرضہ حسنہ پر بھی زکوٰۃ اس وقت فرض ہے جبکہ وہ واپس وصول ہو جائے۔ قرض حسنہ وہ رقم ہوتی ہے جو ایک شخص کسی دوسرے کو اخوت اور جذبہ ایثار کے تحت ایک معینہ مدت کے لیے استعمال کرنے کے لیے دیتا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی رو سے قرض دینے والے کا روپیہ اس کی ذاتی ملکیت میں رہتا ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن جب قرض واپس وصول ہو جائے تو روپیہ اپنے دوسرے مال میں شامل کر کے دیکھا جائے اگر وہ قابل نصاب ہو جاتا ہے یا اس کے پاس نقدی وغیرہ نہیں صرف لوگوں کو دیا ہوا قرض حسنہ ہی تھا اور وہ قابلِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ دی جائے۔ البتہ وہ قرضہ جس کے ملنے کی کوئی امید نہ ہو اسے نصاب میں شامل نہ کیا جائے۔

۲۔ سونے چاندی پر زکوٰۃ کا نصاب

سونا اور چاندی دونوں دھاتیں ہیں۔ ان کا الگ الگ نصاب بیان کیا جاتا ہے

۱۔ سونے پر زکوٰۃ

سونا ایک نہایت ہی قیمتی دھات ہے جس کے پاس جتنا سونا زیادہ ہو وہ صاحب ثروت انسان تصور کیا جاتا ہے لوگوں کے پاس سونا مختلف صورتوں میں ہوتا ہے اس کی ایک صورت تو سونے کی دھات یعنی ڈلیاں ہیں۔ دوسری صورت سونے کے زیورات ہیں۔ تیسری صورت سونے کے برتن کے اور دیگر آرائشی اشیاء وغیرہ میں۔ ان تمام صورتوں میں سونے پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے بشرطیکہ نصاب کی مقررہ حد تک سونا کسی کی ملکیت میں ہو۔

۲۔ سونے کا نصاب

سونے پر زکوٰۃ کی سند آپؐ کی اس روایت سے ملتی ہے جو حضرت ام سلمہؓ سے منسوب ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں سونے کا زیور پہنا کرتی تھی میں نے رسول اکرمؐ سے پوچھا کہ کیا یہ زیور کنز ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ اس مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر کنز نہ رہے گا[1]

سونے کے نصاب کے بارے میں عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیس مثقال سے کم سونے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ لیکن محدثین اس حدیث کو مرفوع قرار دیتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے مکاتیب میں درج ہے کہ سونے پر اس وقت تک کوئی زکوٰۃ نہ لی جائے تا آنکہ وہ بیس دینار ہو جائے۔ جب وہ بیس دینار ہو جائے تو اس پر نصف دینار زکوٰۃ لی جائے یعنی چالیسواں حصہ۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سونے کا نصاب ۲۰ مثقال ہے۔ لہٰذا جو شخص

---

[1] کتاب الاموال جلد دوم۔

۲۰ مثقال یعنی ۷½ تولے یا ۸۵ گرام سونے یا اس سے زائد کا مالک ہوگا اس پر اس سونے کی زکوٰۃ دینا واجب ہوگی۔ سونے کی زکوٰۃ کی شرح چالیسواں حصہ یا چالیسواں حصہ کی رائج الوقت سکہ کے حساب سے قیمت ہے بشرطیکہ سونا سال بھر انسان کی ملکیت میں رہا ہو۔

۳۔ سونے کی تجارت پر زکوٰۃ وہ لوگ جو سونے کی ڈلیوں یا زیورات کی صورت میں خرید و فروخت کا کاروبار کرتے ہیں تو انہیں سال بھر کے بعد سونے کی زکوٰۃ دینی چاہیئے ان کی زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے کہ سال کے بعد جو سونا یا زیورات فروخت نہ ہوئے ہوں ان پر اس سونے کی مقدار کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ مثلاً ایک سنار ہے اس نے سونے کی تجارت کا کاروبار شروع کیا۔ آغاز کے وقت اس کے پاس نصاب سے زیادہ سونا تھا سال بھر وہ سونا لیتا اور دیتا رہا اور سال کے آخر اب اس کی دوکان میں جتنا سونا ڈلیوں یا زیورات کی صورت میں فروخت کرنے کے لیے موجود ہے اور وہ مقررہ نصاب سے زائد ہے تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

۴۔ نصاب میں وزن کا اعتبار سونے چاندی کی زکوٰۃ میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا لحاظ نہیں اگر سونا وزن میں قدر نصاب نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا۔

۵۔ کھوٹ ملے ہوئے سونے کی زکوٰۃ اگر سونا خالص نہ ہو بلکہ اس میں کھوٹ ملا ہو تو جو دھات زیادہ ملی ہوگی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ اگر سونا زیادہ ہے تو سونا تصور کیا جائے گا اور زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر کھوٹ زیادہ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

۶۔ سال میں مقدار کا زیادہ ہونا سال کے آغاز میں اگر کسی شخص کے پاس مقدار نصاب کے برابر سونا ہو یعنی ۸۵ گرام اور سال کے دوران اور سونا اس کے پاس آجائے تو سال کے آخر میں

سنن الہدایہ

تمام سونے پر زکوٰۃ عائد ہو گی۔ بس کا عام اصول یہی ہے کہ سال کے شروع میں صاحب نصاب ہو اور سال کے آخر میں بھی نصاب کی مقدار سے زائد سونا ہو تو دوران سال کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جبکہ سال کے آخر میں سونے کی جو مقدار ہو گی اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۲۔ چاندی پر زکوٰۃ!

چاندی کے بارے حکم ہے کہ جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی ہو تو وہ صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ خواہ یہ چاندی زیور، پتروں، برتنوں، سکوں، گھوٹہ یا دزار کی صورت میں ہو۔ بہرکیف اس پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ چاندی خواہ خزانے کی صورت میں تجارت کے لیے ہو یا زیب و زینت کے لیے ہو تو ہر صورت میں اس پر زکوٰۃ کا اطلاق ہو گا۔

چاندی پر زکوٰۃ دینے کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے اخذ ہوتا ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے آپ کا ارشاد ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ یعنی ۲۰۰ درہم چاندی کے وزن پر زکوٰۃ کا اطلاق ہو گا۔

دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولے یا ۶۱۰ گرام چاندی پر زکوٰۃ ایک سال گزرنے پر چالیسواں حصہ چاندی یا اس کی رائج الوقت قیمت ہو گی جس کی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذؓ کے نام وہ پیغام ہے جو آپ نے انہیں بھیجا تھا جس میں لکھا تھا کہ دوسو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ وصول کی جائے اور بیس مثقال سونے پر نصف مثقال سونا زکوٰۃ وصول کیا جائے۔

دوسو درہم چاندی کی نصاب ہونے کے بارے میں حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ نہیں۔ چاندی کی زکوٰۃ کا حساب چاندی کے چالیس درہم پر ایک درہم ہو گا۔ دوسو سے

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے پاس ختم سال میں چاندی، زیور، برتن، گوٹہ، تلہ وغیرہ کی صورت میں ۲۰۰ درہم یعنی ۶۱۲ گرام وزن کے برابر یا اس سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

۳۔ زیورات پر زکوٰۃ

سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی کا کہنا ہے کہ زیور چونکہ استعمال میں رہتا ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں رہتی، اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زیور کی زکوٰۃ صرف ایک دفعہ ہی ہے ہر سال نہیں لیکن حنفی مسلک کے نزدیک سونا چاندی استعمال میں ہو یا پڑا ہوا ہو یعنی خواہ کسی حالت میں ہو اس پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہے چونکہ زیورات پر زکوٰۃ دینے کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں واضح طور پر موجود ہے جو حضرت عمرو بن شعیبؓ نے اپنے والد اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن
جده أن امرأتين أتتا رسول الله صلى
الله عليه وسلم وفي أيديهما سواران
من ذهب فقال لهما أتؤديان
زكاته قالتا لا فقال لهما رسول الله
صلى الله عليه وسلم أتحبان أن
يسوركما الله بسوارين من نار
قالتا لا قال فأديا زكاته

حضرت عمرو بن شعیبؓ عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے
دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں
ان کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے۔ آپ نے
ان سے فرمایا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو انھوں نے کہا
نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پسند
کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو آگ کے کنگن پہنائے اس
انھوں نے کہا نہیں فرمایا پھر تم اس کی زکوٰۃ ادا کیا
کرو۔ (جامع ترمذی)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں سونے کے اوضاح پہنا کرتی تھی تو میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا یہ زیور کنز ہے تو آپ نے فرمایا

کہ اگر یہ اس مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر یہ کنز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی اور بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو۔ وہ بولی نہیں تو آپ نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ قیامت کے دن تجھ کو دو کنگن آگ کے پہنائے اس نے کنگنوں کو اتار کر رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور کہا کہ یہ کنگن اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی کہتی ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے عورتو اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو اگرچہ وہ تمہارے زیورات ہی سے ہو۔ کیونکہ تم میں سے قیامت کے دن اکثر دوزخی ہوں گی۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ قَالَتْ
خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ
تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَإِنَّكُنَّ
أَكْثَرُ أَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت زینبؓ حضرت عبداللہ کی بیوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا۔ فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کرو اگرچہ تم اپنے زیوروں سے کرو کیونکہ قیامت کے دن تم اکثر دوزخی ہوں گی۔ (ترمذی)

مختصر ان تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ خواہ وہ زیورات استعمال میں ہوں یا نہ ہوں۔ جو والدین اپنی بچیوں کے لیے سونے چاندی کا جہیز بنا کر رکھ لیتے ہیں اگر اس کا نصاب پورا ہو یا اس سے زائد ہو اور وہ سال بھر پڑا رہے تو اس پر زکوٰۃ عائد ہو گی۔

سونے چاندی پر زکوٰۃ دینے کی آسان صورت یہ ہے کہ جس کے پاس سونا اور چاندی بقدر نصاب موجود ہوں اور اس پر سال گزر جائے تو سونے اور چاندی

کا وزن کرے رائج الوقت سکہ کے مطابق اور نرخ کے مطابق اس کی قیمت نکال لے جتنی رقم بنے اس کی ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالے کیونکہ سونے اور چاندی کا نصاب وزن کے اعتبار سے ہوگا۔

بعض حالات میں یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف اتنا سونا یا چاندی ہے کہ اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے مثلاً ساڑھے سات تولہ ۸۵ گرام سونا ہے مگر اس کے پاس زکوٰۃ دینے کے لیے رقم نہیں ہے تو اس صورت میں اسلام نے زکوٰۃ معاف نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے حکم ہے کہ وہ اس سونے کا چالیسواں حصہ بیچ کر زکوٰۃ ادا کرے اور آئندہ اگر اسے مزید سونا حاصل نہ ہوا تو آئندہ سال اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی کیونکہ اس کا سونا نصاب سے کم ہو جائے گا۔

عموماً یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر گھر میں دو تین عورتیں ہیں یعنی ماں، بیٹی، بہو، ہمشیرہ وغیرہ اور وہ نصاب کی مقدار سے کم سونا یا چاندی یا اس کے زیورات کی مالک ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے لیے کیا زکوٰۃ عائد ہوگی۔ ایک ہی گھر میں رہنے والے افراد یعنی ماں، بیٹی، ہمشیرہ اور اگر ایک ہی شخص کی کفالت میں ہوں تو ان تینوں کا زیور اکٹھا کر کے نصاب کا حساب لگایا جائے۔ ان کی آمدن اور خرچہ الگ ہے تو اس صورت میں ان کا نصاب بھی الگ ہوگا۔ مگر بہو کے والدین کا دیا ہوا زیور اور سسرال کا ڈالا ہوا زیور ایک ہی نصاب میں شامل ہے۔

کسی کے پاس نصاب کی پوری مقدار میں نہ سونا ہے اور نہ چاندی بلکہ دونوں تھوڑے تھوڑے ہیں تو دونوں کی قیمت ملا کر اگر ۶۱۰ گرام چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر دونوں کی مقدار پوری ہو تو قیمت لگانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر نصاب سے کم صرف سونا ہے اور ساتھ نقد روپیہ ہے تو اس کی زکوٰۃ کے لیے سونے کی قیمت لگا کر نقد روپیہ جمع کر کے دیکھا جائے کہ اس قیمت میں ۶۱۰ گرام چاندی آ سکتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دلہن کو جو زیور شادی میں اس کے والدین کی طرف سے ڈالا جاتا ہے وہ عورت

کی ملکیت ہوتا ہے اور جو زیور سسرال کی طرف سے ڈالا جاتا ہے اگر وہ بھی اس کی ملکیت میں دے دیا جائے تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی عورت کے ذمہ ہوگی۔

سونے چاندی کے زیور میں جو جواہرات جڑے ہوتے ہیں خواہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ وہ زیور میں زکوٰۃ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

ایک شخص مقروض ہے اور اس کی بیوی کے پاس زیور یا نقد روپیہ بقدر نصاب ہو تو اس صورت پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سارا سال زیور کے علاوہ جو روپیہ یا زکوٰۃ کی کوئی چیز عورت کی ملکیت میں ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور عورت کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔

لڑکی کو جہیز میں جو زیور یا نقد روپیہ دینے کے لیے جمع کیا جاتا ہے اور بقدر نصاب ہونے کی صورت میں اس کی زکوٰۃ اس وقت تک کفیل کے ذمہ ہوگی جب تک وہ لڑکی کی شادی نہیں کر دیتا۔ شادی کر دینے کے بعد جب لڑکی اپنے زیور کی مالک بن جائے تو اس کی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد لڑکی کے ذمہ واجب الادا ہوگی۔

۳۔ سامانِ تجارت و صنعت پر زکوٰۃ

تجارتی مال پر زکوٰۃ

تجارت کو ہر زمانہ میں بہت اہمیت حاصل رہی ہے اور اسلامی معاشی میں بھی رزق حلال کمانے کا یہ ایک بنیادی ذریعہ ہے لہذا شریعت اسلامیہ کی رو سے زکوٰۃ کا اطلاق مال تجارت پر بھی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے ایمان والو اپنی کمائی سے خرچ کرو۱؎ زکوٰۃ دینا ہر صاحب نصاب پر فرض ہے۔ اس لیے اس آیت میں جو کمائی سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا صریحاً اطلاق مال تجارت سے زکوٰۃ نکالنے پر دلالت کرتا ہے۔ سامانِ تجارت اور صنعت و حرفت پر زکوٰۃ نکالنے

۱؎ سورۃ البقرہ آیت ۲۶۷۔

پر رسول اکرم کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جو حضرت سمرہؓ بن جندب سے مروی ہے۔ حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان تمام اشیاء سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا کرتے تھے جو تجارت کے لیے ہمارے پاس ہوتیں۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ	حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے رسول اللہ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس
كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ	چیز کی زکوٰۃ نکالیں جس کو ہم تجارت کے لیے تیار
مِنَ الَّذِي نُعِدُّهُ لِلْبَيْعِ۔	کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی مال تجارت پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ لہٰذا سامانِ تجارت اور صنعت شدہ اشیاء پر زکوٰۃ فرض ہے۔ یعنی وہ مال جس کی خرید و فروخت کی جاتی ہے وہ سامانِ تجارت کہلاتا ہے اور ایسے مال پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ ہر وہ چیز جو نفع حاصل کرنے کی غرض سے تیار کی جاتی ہے۔ اس پر بھی زکوٰۃ عائد ہو گی۔ فقہ کے مسلک اربعہ کی رو سے ہر ایسے مال پر زکوٰۃ فرض ہے جس کی نفع کی غرض سے خرید و فروخت کی جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی فرمان ہے کہ سامان تجارت خواہ مقدار یا نوعیت کے لحاظ سے کچھ بھی ہو جب وہ شرعی نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔[1]

سامانِ تجارت اور پیداواری صنعت کا مال جب نصاب پر پہنچ جائے تو ایک سال کا عرصہ گزر جانے پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے مالِ تجارت کا اندازہ کریں اور دو سو درہم پر پانچ درہم بطور زکوٰۃ ادا کریں۔ گویا سامان تجارت کا نصاب ۲۰۰ درہم ہے یعنی جب مالِ تجارت کا آغاز ۲۰۰ درہم۔ چاندی یعنی ۵۲ ½ تولے یا ۶۱۲ گرام چاندی کی مالیت سے ہو گا۔ اور سال بھر اتنی مالیت کا تجارتی کاروبار میں لگا رہے تو اس پر یا اس سے زائد اثاثے پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہو گی۔

---

[1] ابوداؤد۔ [2] الہدایہ۔

مال تجارت کے نصاب کے تعین کے لیے جن فقہاء نے ۷½ تولے سونے کی
مالیت بھی مقرر کی ہے یعنی جس مال تجارت کی قیمت ۷½ یا ۸۵.۰۰ گرام سونے
کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ عائد ہو گی لیکن سونے کی بجائے چاندی کی
قیمت کو حدِ نصاب مقرر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ رسول پاکؐ کے زمانہ میں سونے
اور چاندی کی قیمتوں میں ایک اور سات کی نسبت تھی مگر بعد ازاں معاشی اتار
چڑھاؤ سے بعض ملکوں میں سونے کا بھاؤ چاندی سے بہت زیادہ ہو گیا ہے
تجارتی اور صنعتی مال کے لیے ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کو حدِ نصاب ٹھہرانا
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عین ارشاد کے مطابق ہے اور میرے خیال کے
مطابق تجارتی اموال میں چاندی ہی بنیادِ نصاب قرار دینا بہتر ہے۔

کاروبار میں انسان دو طرح کا سامان رکھتا ہے ایک سامان تو دوکان
میں استعمال کے لیے رکھا جاتا ہے سنت کی رو سے وہ مال جو استعمال کے لیے
رکھا جائے اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہو گی۔ تجارتی سامان وہ ہوتا ہے جس کی فروخت سے
منافع یا اضافہ مقصود ہوتا ہے۔ ایک دوکان میں تجارتی مال خواہ کتنی قسموں کا رکھا
ہو اس پر مجموعی طور پر زکوٰۃ ہو گی۔

تجارتی مال کی قیمت رائج الوقت سکہ اور مارکیٹ کے نرخ کے مطابق لگائی
جاتی ہے تجارتی مال پر اسی ملک اور جگہ کی قیمت لگائی جاتی ہے جہاں سامان
تجارت ہوتا ہے۔

زکوٰۃ شمار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نصاب شخص کو جب آغاز کاروبار سے ایک
سال گزر جائے تو وہ اپنے کاروبار کے تجارتی مال کی مالیت کا بازار کے فروختی
بھاؤ کے حساب سے اندازہ لگائے اور اس میں اپنا ذاتی جمع شدہ سرمایہ خواہ
اپنے پاس رکھا ہوا ہو یا بنک میں رکھا ہوا ہو تو بھی شامل کرے۔ وصول شدہ تجارتی
قرضہ بھی شامل کرے اس طرح کاروبار کی مالیت کا حساب لگانے کے بعد جو سرمایہ کے
اعداد و شمار نکلیں ان پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔

وہ سامان جو کرایہ پر دیا جاتا ہے جیسے شادی کے موقع پر کراکری شامیانے برتن فرنیچر دیگیں وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ایسے جو لوگ کرایہ پر سائیکلیں، کاریں، ٹرک ٹیکسیاں وغیرہ دیتے ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح سواری کی بسوں، ویگنوں اور تانگوں پر زکوٰۃ نہیں۔ البتہ کرایہ سے حاصل ہونے والی رقم پر زکوٰۃ ہوگی اگر وہ شرائط نصاب کے مطابق ہو۔

تجارت کرنے کے لیے دوکان، گودام، سٹور میں ذاتی استعمال کے لیے جو اشیاء یعنی میز، کرسیاں، شوکیس، الماریاں، سامان لانے اور لے جانے کے لیے گاڑیاں وغیرہ پر زکوٰۃ نہ ہوگی اور سامان تجارت کا حساب کرتے وقت ایسی چیزیں شمار میں نہ لائی جائیں گی۔ یاد رہے کہ ذاتی استعمال کی اشیاء کسی ضرورت یا نقصان سے بچنے کے لیے فروخت بھی کر دی جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ ایسی اشیاء کا شمار تجارتی اموال کے ضمن میں نہیں ہوتا کیونکہ تجارتی مال وہ ہوتا ہے جس کو کاروبار میں فروخت کی نیت سے خریدا جائے۔

مال تجارت میں وہی سامان دینا بھی جائز ہے جس کی تجارت ہو رہی ہے مثلاً پرچون کی دوکان والا روزمرہ کے استعمال کی اشیاء زکوٰۃ میں دے سکتا ہو ایسے ہی کپڑے کی دوکان کرنے والا کپڑا جوتا بیچنے والا جوتے۔ فرنیچر بیچنے والا فرنیچر زکوٰۃ میں دے سکتا ہے بشرطیکہ زکوٰۃ میں دیا جانے والا سامان مستحقین زکوٰۃ کے کام آنے والا ہو اگر وہ مستحق زکوٰۃ کے کام میں آنے والی چیز نہیں ہے تو بہتر ہے کہ زکوٰۃ نقدی کی صورت میں دی جائے۔

حرام اشیاء جن کی تجارت اسلام میں ممنوع ہے اور ان پر زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شراب، فیول بھنگ اور حرام اشیاء کی کمائی حلال نہیں تو ایسے سامان تجارت پر زکوٰۃ کے اطلاق کا سوال پیدا نہیں ہوتا ایسے ہی حرام اشیاء کی فروخت سے جو نقدی حاصل ہوتی ہے اس پر زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل نہیں اس کے برعکس اگر کوئی صاحب نصاب حلال مال و زر نکال کر حرام کاروبار کرے

تو اس صورت میں اس کا حلال مال محل زکوٰۃ ہے۔ البتہ جو حرام پر منافع ہوا ہے اس پر زکوٰۃ جائز نہیں اور ایسا کرنا اسلام اور تقویٰ کے خلاف ہے صوفیا کے نزدیک تو حلال اگر حرام کے ساتھ مل کر مشتبہ ہو جائے تو حلال بھی حرام ہو جائے گا۔

تجارت اور دوکانداری میں عموماً اس طرح ہوتا ہے کہ جب کاروبار شروع کیا تو اس وقت مال تجارت نصاب سے کم تھا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کا مال تجارت نصاب کو پہنچ گیا تو جب سے مال نصاب زکوٰۃ کو پہنچا ہو اس وقت سے لے کر ایک سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

ایک شخص اپنے کاروبار کے آغاز میں صاحب نصاب تھا اور سال کے دوران اس کا مال نصاب سے کم ہو گیا مگر آخر سال میں وہ پھر صاحب نصاب ہو گیا تو اس صورت میں تاجر کو اپنے سامان تجارت پر زکوٰۃ دینا ہوگی کیونکہ آغاز سال اور اختتام سال پر صاحب نصاب ہونا زکوٰۃ ادا کرنے کے وجوب سے ہے کیونکہ ائمہ کے مسلک کے مطابق ایسی صورت میں دوران سال کی حد نصاب میں کمی بیشی ادائیگی زکوٰۃ پر اثر انداز نہ ہوگی۔

تاجر سال کے بعد جب اپنے سامان تجارت کا تخمینہ کر کے زکوٰۃ دینے لگے تو نصاب زکوٰۃ قائم کرنے کے لیے اسے اپنے رکھے ہوئے سونا چاندی اور نقد روپیہ کو بھی جمع کرے۔ وہ رقم بھی اپنے نصاب میں جمع کرے جو اس نے کسی کو قرضہ دے رکھی ہے۔ لیکن جو قرضہ واجب الادا ہو اس کو منہا کر کے بقیہ رقم پر زکوٰۃ دی جائے گی۔ البتہ ایسے قرضے جو لوگوں سے لیے ہیں اور ان کے ملنے کی امید نہیں تو انھیں نصاب میں شمار نہ کیا جائے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تجارتی مال کی جو زکوٰۃ دی گئی وہ زیادہ تر اسی مال کی صورت میں ہوتی تھی۔ جس پر زکوٰۃ دی جاتی تھی لیکن بعض حالات میں تجارتی مال کے بدلے میں دوسری اشیاء یا مال کے ذریعہ بھی زکوٰۃ دی جاتی تھی بلکہ مستحق کی ضرورت جسکو زکوٰۃ دی جاتی تھی مدنظر رکھی جاتا تھا چنانچہ اب

بھی اسی چیز کو مدِ نظر رکھا جا سکتا ہے۔

دینے والا اگر نقدی میں زکوٰۃ دینا آسان سمجھتا ہے تو نقدی میں زکوٰۃ لو الیے اگر مال کی صورت میں آسان تصور کرتا ہے تو مال کی صورت میں دے دیں۔ یا اس کے برعکس مستحقین زکوٰۃ کی ضرورت کو دیکھیے اگر اسے اشیائے صرف کی ضرورت ہے یا اس مال کی ضرورت ہے جس کی زکوٰۃ دی جا رہی ہے تو وہی مال زکوٰۃ میں دیا جائے اگر مستحقین کو نقدی کی ضرورت درکار ہے تو زکوٰۃ رقم کی صورت میں ادا کی جائے۔ بہرکیف مستحقین زکوٰۃ کی آسانی اور ضرورت کو مدِ نظر رکھی جائے۔

مالِ تجارت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا اطلاق ہر سال ہوتا ہے۔ جب تک مال تجارت یا کاروبار میں لگے ہوئے مال بقدرِ نصاب رہے گا تو ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ذاتی ضرورت کے مکانوں پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں اور کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر مکانات کرایہ یا فروخت کے مقاصد کے لیے ہوں تو ان سے جو مال حاصل ہوگا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲۔ کارخانوں اور فیکٹریوں پر زکوٰۃ

اسلام کے ابتدائی ایام میں جدید مشینی مصنوعات کا رواج نہ تھا مگر جوں جوں زمانہ مادی ترقی کی طرف گامزن رہا کارخانے اور فیکٹریاں وجود میں آئیں چونکہ ان کی پیدا کردہ مصنوعات سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور ان کی تیار کردہ مصنوعات بھی سامانِ تجارت کی طرح ہیں اس لیے کارخانوں کے پیدا کردہ مال پر زکوٰۃ واجب ہے جس طرح کہ سامانِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے۔

کارخانوں میں مال کی ایک صورت تو مشینیں اوزار اور تکنیکی آلات ہوتے ہیں چونکہ یہ اشیاء روزمرہ استعمال کی اشیاء ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ اونٹ جو آبپاشی کے لیے استعمال ہوتے تھے ان پر زکوٰۃ نہ تھی۔ آپ کی ایک حدیث ہے کہ جن اونٹوں سے آبپاشی کی جاتی ہو

ان پر زکوٰۃ نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں استعمال کی
اشیاء کو مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ کارخانوں اور فیکٹریوں میں عموماً جو سامان تیار ہوتا
ہے وہ فروخت ہوتا ہے اور نقدی کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن سال
کے آخر میں کچھ مال صنعت کے طریقہ کار میں ہوتا ہے اور اس بچے ہوئے مال پر بقدر
نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ عائد ہوگی۔

کارخانہ اور فیکٹری پر محل زکوٰۃ ہونے کا نصاب بھی ۲۰۰ درہم چاندی ہے،
یعنی جب اس کے خام مال اور مصنوعات کی قیمت ۵۲½ تولے یا ۶۱۲ گرام وزن
چاندی کی قیمت کے برابر ہوگی تو وہ سامان مقدارِ نصاب شمار ہوگا اور اس پر ۲½ فیصد
کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔ یعنی کارخانہ جب شروع کیا تو جو خام مال خریدا
گیا وہ نصاب کی حد میں تھا سال بھر میں مال آتا رہا اور جاتا رہا۔ سال کے آخر
میں جو خام مال مصنوعات بنانے کے لیے پڑا ہوا ہے اور جو مصنوعات تیار شدہ
فروخت نہیں ہوئیں اور کارخانہ دار کے اس روپیہ پر جو اس کے پاس جمع ہے
ان تمام کو جمع کر کے زکوٰۃ عائد ہوگی۔

مثلاً ایک شخص نے برتن بنانے کا کارخانہ لگایا اس کے لیے اس نے سب سے
پہلے زمین خریدی عمارت بنوائی مشینری خریدی کرنٹ کی ایک ٹرک سامان لانے
اور لے جانے کے لیے خریدا چونکہ یہ استعمال کی اشیاء ہیں ان پر سال گزرنے
کے بعد زکوٰۃ نہ ہوگی۔ کارخانہ بنانے کے بعد اس نے برتن بنانے کے لیے خام
مال یعنی سٹیل یا پیتل، تانبا وغیرہ خریدا جس کی مالیت ۶۱۲ گرام چاندی سے زیادہ
تھی۔ دورانِ سال خام مال خریدتا رہا اور اس سے مصنوعات بنا کر فروخت کرتا
رہا۔ سال گزرنے کے بعد اس کے پاس جو خام مال جمع ہے اس نے برتن بنانے
ہیں اور وہ مصنوعات جو اس نے تیار کر کے فروخت کے لیے رکھی ہوئی ہیں
اور وہ نقد جو اس کا بنک میں جمع ہو گیا ہے ان تینوں کی مالیت کو جمع کر کے اس
پر ۲½ ٪ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بے شمار کارخانہ داروں کا مال و دولت بقدر بعے نصاب ہوتا ہے بلکہ میرے خیال کے مطابق فیکٹری یا کارخانہ پر ابتداء ہی میں اتنا زیادہ سرمایہ لگایا جاتا ہے جو نصاب سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کم علمی اور زکوٰۃ نہ دینے کے بُرے انجام سے بے خبری کی بنا پر لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے لیکن مسلمانو یاد رکھو آخرت میں سوائے نیکی کے کوئی مال و دولت کام نہ آئے گی۔

۳۔ کاروباری شراکت و مضاربت پر زکوٰۃ

اموال تجارت اور مختلف نوعیت کے کاروبار میں لوگ شراکت اور مضاربت کے ذریعہ کام کرتے ہیں تو اس صورت میں ہر شریک کاروبار کا سرمایہ بقدر نصاب ہے تو سال گزرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اوران کی زکوٰۃ کا نصاب بھی نقدی کا نصاب ہے اور شرح زکوٰۃ ۲½ ٪ ہے۔

۴۔ کمپنیوں اور فرموں پر زکوٰۃ

تجارت اور صنعت و حرفت کی جدید صورت کمپنی و فرم ہے ان پر بھی اسلامی نقطہ نظر سے زکوٰۃ واجب ہے کمپنی چند افراد کا ایک تنظیمی ادارہ ہوتا ہے جو قواعد و ضوابط کے تحت کاروبار کرتا ہے کمپنی میں حصص مقرر کیے جاتے ہیں اور اپنے حصّہ کے حساب سے سرمایہ لگا کر سال کے آخر میں انسان نفع یا نقصان کا حصّہ دار ہوتا ہے ابتدائے اسلام میں کمپنیوں کا وجود نہ تھا۔ البتہ مل جل کر تجارت کرنے کا رواج تو عربوں میں عام تھا۔ لہٰذا اس غرض سے شریعت اسلامیہ میں شراکت اور مضاربت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ جدید معاشی اصطلاحات میں اسی شراکت کے نظام نے کمپنیوں کا روپ دھارا ہے چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے چند افراد کا مل کر ایک کمپنی بنا کر کوئی کاروبار کرنا خلاف شرع نہیں۔ کمپنیاں و فرمیں عام طور پر تجارتی مقاصد یا صنعت و حرفت کے لیے قائم کی جاتی ہیں کمپنی خواہ کیسی ہو جب اس کے ذریعے سرمایہ لگا کر منافع کمایا جائے گا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے نوعیت اور تنظیم کے لحاظ سے کمپنیوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں ایسی کمپنیاں جو

حکومت کے فرمان کے تحت قومی مفاد کے لیے بنائی جائیں اور ان کا سرمایہ بھی قومی خزانہ سے لگایا جائے تو ایسی کمپنیوں پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی کیونکہ اسلامی بیت المال کا سرمایہ زکوٰۃ سے مبرا ہے۔

ایک کمپنیاں وہ ہوتی ہیں جو حکومت اور لوگ مل کر عوامی فلاح و بہبود کے لیے قائم کرتے ہیں، مثلاً آب رسانی، بجلی، ریلوے وغیرہ کی کمپنیاں وغیرہ اس قسم کی کمپنیوں میں حکومت کا سرمایہ بھی ہوتا ہے اور عوام کے حصص بھی ہوتے ہیں عوام کے حصص پر زکوٰۃ عائد ہوگی حکومت کے حصص پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

کمپنیوں کی اہم قسم نجی کمپنیاں ہیں جو ملکی قانون کے تحت رجسٹرڈ ہوتی ہیں یہ کمپنیاں اپنے حصص اور نوعیت کے لحاظ سے محدود یا غیر محدود ہوتی ہیں۔ اس قسم کی کمپنیوں پر فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے کمپنی خواہ جس قسم کی بھی ہو ان کی نوعیت ایک ہی ہوتی ہے صرف تنظیمی ڈھانچے میں فرق ہوتا ہے جو لوگ کمپنی بناتے ہیں۔ بنیادی سرمایہ لگاتے ہیں۔ ان کے حصص خصوصی ہوتے ہیں۔

ان کے حصص کے علاوہ عام حصص ہوتے ہیں جو لوگوں کو جاری کیے جاتے ہیں کمپنی کے سرمایہ سے جو کام شروع کیا جاتا ہے اس میں سب سے پہلے اس کے کاروبار کی عمارت مشینری، انتظامی دفتر کا سامان اور دوسری استعمال کی اشیاء خریدی جاتی ہیں۔ ایسی اشیاء زکوٰۃ کا حساب لگاتے وقت مستثنیٰ ہوں گی۔ اس کے بعد کمپنی نے وہ سرمایہ جو پیداواری منافع کے لیے لگایا ہوگا وہ وجوب زکوٰۃ ہے سال کے آخر میں وہ سرمایہ جو کمپنی کے پاس بینک بیلنس بانڈز سرٹیفکیٹ دوسری کمپنیوں کے خریدے ہوئے حصص سٹاک واجب الوصول قرضے واجب الادا قرضے تمسکات وغیرہ کی صورت میں ہوگا چنانچہ جس کمپنی کا سرمایہ مقدار نصاب ۲۰۰ درہم یا ۵۲ ۱/۲ تولے یا ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو یا زائد ہو تو اس کمپنی پر زکوٰۃ ہوگی اور میرے خیال کے مطابق ہر کمپنی کا سرمایہ نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

کمپنی پر زکوٰۃ دینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کمپنی ہر سال اثاثے کا حساب کرے اور اس میں مستثنیٰ اثاثے کو منہا کرے اور جمع شدہ لوگوں سے لینے والا سرمایہ اور کاروبار میں لگا ہوا تمام سرمایہ شمار میں لا کر سال کے بعد ۲½ فیصد سے زکوٰۃ ادا کرے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی میں چونکہ حصص ہوتے ہیں اور سال کے بعد حصص کے مالکان انفرادی طور پر اپنے حصص مع منافع جو انہیں کمپنی کی جانب سے ملے اس پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکال دیں بشرطیکہ ان کے حصص مقدار نصاب تک پہنچتے ہوں۔

۵۔ ٹھیکہ داری کی زکوٰۃ

ٹھیکہ داری چونکہ عموماً کمپنیوں اور فرموں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اس کی زکوٰۃ کا بھی یہی حکم ہے جو بیان ہو چکا ہے۔ البتہ کوئی فرد واحد ٹھیکیدار ہے تو اس کا سرمایہ ٹھیکیداری کے وقت بمقدار نصاب تھا اور سال کے ختم ہونے پر بھی ٹھیکیداری میں جو رقم اس کے پاس ہے وہ بمقدار نصاب ہے تو وہ اپنے ٹھیکیداری اخراجات اور گھریلو اخراجات نکال کر جو سرمایہ باقی بچے اس پر نقدی کے حساب یعنی ۲½ فیصد سے زکوٰۃ ادا کرے

جانوروں کا نصاب

شریعت اسلامیہ کی رو سے مختلف قسم کے جانوروں پر زکوٰۃ فرض ہے اور ان کے لیے قرآن پاک میں انعام کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ انعام دراصل وہ مویشی ہیں جو انسان کے لیے مفید ترین ہیں کیونکہ انسان ان سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝"

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مویشی ان کے لیے پیدا کیے ہیں اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔ ہم نے انھیں اس طرح ان کے بس میں کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں، کسی کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے اندر ان کے لیے طرح طرح کے فوائد اور مشروبات ہیں۔ پھر کیا یہ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (پارہ ۲۳۔ سورہ یٰسین۔ آیت ۷۱ - ۷۳)

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کے لیے یہ مویشی پیدا فرمائے ہیں اور انھیں انسان کا تابع بھی بنا دیا ہے تاکہ انسان ان پر سواری کرے۔ ان کا گوشت کھائے۔ ان کا دودھ پیئے اور ان کی صوف، اون اور بالوں کو استعمال کرے اور ان تمام فوائد کے بعد اللہ کا شکر ادا کرے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ "وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ۔"

اور جس نے سب جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیوں اور چوپایوں سے سواریاں بنائیں۔ (پارہ ۲۵۔ سورہ الزخرف۔ آیت ۱۲)

"وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۔ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ۔ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔"

اس نے جانور پیدا کیے، جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے، جبکہ صبح تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انھیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بوجھ اٹھا کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔ (پارہ ۱۴۔ سورہ النحل۔ آیت ۵ - ۷)

قرآن پاک کی مذکورہ آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی میں

جانور مال و زر کا ایک لازمی جزو اور مادی وسائل کا بڑا اہم ذریعہ ہیں۔ اسی لیے اسلام میں ان پر زکوٰۃ کے واضح احکامات موجود ہیں۔ ابتدائے اسلام کے وقت اگرچہ مویشی رکھنے کا عام رواج تھا اور وہ شخص بڑا مالدار تصور کیا جاتا تھا جس کے پاس زیادہ جانور ہوتے تھے۔ اس دور کی تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کو مدِ نظر رکھا جائے تو جانور رکھنے کی ضرورت بھی در پیش رہتی تھی کیونکہ ان سے زندگی کی بے شمار ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ سواری، خوراک اور دیگر ضروریات جانوروں سے پوری کی جاتی تھیں۔ لیکن اب بھی انسانی ضرورتوں کے پیش نظر جانوروں کا رکھنا ناگزیر ہے بلکہ انسان کی زندگی کا لازمی جز ہے کیونکہ ان کے بغیر دیہاتی زندگی ناممکن ہے اور اب بھی دنیا میں ایسے خطے ہیں جہاں بھیڑ بکریاں گائے، اونٹ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں اور انہیں فروخت کر کے زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے مال پر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

جانوروں کی زکوٰۃ کے اصول

جانوروں پر زکوٰۃ وصول کرنے کے چند بنیادی اصول اور شرائط ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اقسامِ مویشی احادیث میں جن جانوروں پر زکوٰۃ دینے کا حکم ہوا ہے وہ چوپائے ہیں مثلاً اونٹ، بقر، غنم وغیرہ غنم گھر کے پالتو جانوروں کو کہتے ہیں۔ اس کے برعکس وحشی جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ احادیث میں جو بقر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی گائے، بیل کے ہیں لیکن زکوٰۃ کے معاملے میں گائے اور بھینس کے متعلق ایک حکم ہے اور لفظ غنم میں بکرا بکری کے علاوہ بھیڑ دنبہ وغیرہ کا شمار ہوگا۔

۲۔ سائمہ جانور احادیث میں جانوروں کے سلسلے میں سائمہ لفظ استعمال ہوا ہے یعنی وہ چراگاہ میں چرنے والے ہوں یعنی جنگل میں ایسا

گھاس پھوس کھانے جو مباح ہو حنفی حنبلی اور شافعی فقہ کے مسالک میں اسے لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حضرت امام مالک نے فرمایا ہے کہ جانوروں پر زکوٰۃ کا اطلاق کرنے کے لیے ان کا سائمہ ہونا شرط نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانور خواہ چراگاہ میں چرتے ہوں یا گھریلو چارے پر پلتے ہوں ان سے کام لیا جاتا ہے یا نہیں۔ ان پر تعداد نصاب کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

میرے خیال کے مطابق اب بھی چراگاہوں میں جانور چرانے کی بجائے تھان کی صورت میں بھی پالے جاتے ہیں۔ اگر چراگاہوں میں چرنے کی شرط رکھی جائے گی تو ایسے جانور زکوٰۃ سے بچ جائیں گے۔ جو چراگاہوں میں نہیں چرتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہاڑی علاقوں کے علاوہ میدانی علاقوں میں کھلی چراگاہیں کم ہوتی ہیں بلکہ میدانی علاقوں میں لوگوں کی مملوکہ زمینوں میں کاشتکاری ہوتی ہے جہاں پر جانوروں کو چرانا دشوار ہے لہذا شہروں اور زرعی علاقوں میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے جانوروں کا سائمہ ہونا ضروری نہیں البتہ پہاڑی علاقوں میں یا جنگلی علاقوں میں سائمہ کی شرط برقرار رکھنا قدرے درست ہے۔

۳۔ مقررہ نصاب کے مطابق تعداد کا ہونا

جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تعداد مقررہ نصاب کی تعداد کے مطابق ہو جو شخص مقرر کردہ تعداد کا مالک نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ زکوٰۃ اغنیاء پر ہے۔ لہذا جن لوگوں کے پاس مقررہ نصاب جتنے جانور ہوں گے وہ غنی تصور ہوں گے اور ان پر زکوٰۃ لازم ہے۔

۴۔ زکوٰۃ کے جانوروں سے خدمت نہ لی جائے

جانوروں پر وجوب زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ ان جانوروں سے خدمت نہ لی جاتی ہو کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے کام کرنے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ کام کرنے والی گائے پر

زکوٰۃ نہیں۔ ایسے ہی حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ہل چلانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔ اس لیے باربرداری، سواری یا کھیتی باڑی کی نیت سے پالے جانے والے جانوروں پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ دودھ حاصل کرنے افزائش نسل یا موٹے تازے کرنے تاکہ زیادہ قیمت والے بن جائیں رکھے جانے والے جانوروں پر زکوٰۃ فرض ہے خواہ وہ سارے نر ہوں یا مادہ پلے جلے ہوں۔

۵۔ جانوروں پر سال کی مدت

جانوروں پر سال کے گزرنے کی شرط بھی سنت نبوی اور عمل صحابہ سے ثابت ہے اور طریقہ یہ تھا کہ مویشی کی زکوٰۃ کی وصولی کے لیے سال میں ایک مرتبہ عاملین بھیجے جاتے تھے چنانچہ جو مال پہلے سے موجود ہو اس پر زکوٰۃ عائد ہونے کے لیے سال گزرنے کی شرط پر اجماع بھی ہے۔

۶۔ مختلف نسلوں کے ملاپ سے پیدا ہونے والے جانوروں پر زکوٰۃ

جو جانور جنگلی اور پالتو جانور کے ملاپ سے پیدا ہوں ایسے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ ملاپ کرنے والے جانوروں میں مادہ پالتو ہو اور نر جنگلی ہو۔ مثلاً بکری اور ہرن کے اختلاط سے جو جانور پیدا ہوں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۷۔ دین کے لیے وقف شدہ جانور زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں!

جو جانور کسی دینی مقصد کے لیے وقف کر دیئے گئے ہوں تو ایسے جانوروں پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں اگر جانور تجارت کے لیے ہوں تو ان پر تجارتی مال کے حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی۔ یعنی تجارتی جانوروں کی قیمت سال کے آغاز اور اختتام پر ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو تو واجب ہوگی۔

۸۔ جانوروں کی افزائش پر زکوٰۃ

ایک شخص نے دودھ اور افزائش نسل کی غرض سے جانور پالنا شروع کیے

لیکن دوران سال ہی انھیں تجارت کے مقاصد میں لے آیا تو ان پر جانوروں کی تعداد کا نصاب لاگو نہ ہوگا۔ بلکہ جس دن سے اس نے تجارت کا ارادہ کیا ہے اسی دن سے تجارتی مال کے زمرے میں آجائے گا اور سال پورا ہونے پر تجارتی مال کے حساب سے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔

مختلف جانوروں پر زکوٰۃ کا نصاب مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ اونٹوں پر زکوٰۃ کا نصاب

اونٹ ایک ایسا پالتو جانور ہے جو انسان کے لیے نہایت ہی مفید ہے پرانے زمانے میں جب کہ موٹر گاڑیاں نہیں تھیں تو اونٹ سے سواری اور بار برداری کا کام لیا جاتا تھا بلکہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں سامان تجارت لانے اور لے جانے کے لیے بھی اونٹ ہی استعمال کیے جاتے تھے اور ریگستانی علاقے میں اونٹ بہت ہی فائدہ مند ہے آج بھی جہاں مشینی ذرائع مواصلات موجود نہیں اونٹ وغیرہ ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔

عربوں میں اونٹ رکھنے کا عام رواج تھا بلکہ جس شخص کے پاس زیادہ اونٹ ہوتے تھے وہ بڑا مالدار تصور کیا جاتا تھا۔ اس لیے اسلام میں جب زکوٰۃ کے حکم کا نزول ہوا تو سب سے پہلے اونٹوں پر ہی زکوٰۃ کا نفاذ ہوا۔ فرمان ہے جو آپ نے عمرو بن حزمؓ کے نام بھیجا تھا اور اس حدیث کا متن ذیل ہے۔

عن انس ان ابا بكر كتب له هذا الكتاب
لما وجهه الى البحرين بسم الله الرحمن
الرحيم هذه فريضة الصدقة التي
فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم
على المسلمين والتي امر الله بها رسوله
فمن سئلها من المسلمين على وجهها

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ نے جب ان کو بحرین کی طرف بھیجا یہ لکھ دیا۔ شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا مہربان ہے یہ فرض صدقہ ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے مسلمانوں میں سے جس شخص

فليعطها ومن سئل فوقها فلا يعط في
أربع وعشرين من الإبل فما دونها
من الغنم من كل خمس شاة فإذا
بلغت خمسا وعشرين إلى خمس
وثلاثين ففيها بنت مخاض أنثى فإذا
بلغت ستا وثلاثين إلى خمس وأربعين
ففيها بنت لبون أنثى فإذا بلغت
ستا وأربعين إلى ستين ففيها حقة
طروقة الجمل فإذا بلغت واحدة
وستين إلى خمس وسبعين ففيها جذعة
فإذا بلغت ستا وسبعين إلى تسعين
ففيها بنتا لبون فإذا بلغت إحدى وتسعين
إلى عشرين ومائة ففيها حقتان
طروقتا الجمل فإذا زادت
على عشرين ومائة ففي كل أربعين
بنت لبون وفي كل خمسين حقة ومن
لم يكن معه إلا أربع من الإبل
فليس فيها صدقة إلا أن يشاء
ربها فإذا بلغت خمسا ففيها شاة ومن
بلغت عنده من الإبل صدقة الجذعة
وليست عنده جذعة وعنده حقة
فإنها تقبل منه الحقة ويجعل
معها شاتين إن استيسرتا له أو

سے صحیح طریقہ پر اس کے متعلق سوال کیا جائے وہ اس
کو ادا کرے اور جس سے زیادہ کا سوال کیا جائے
وہ نہ دے۔ چوبیس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ بکریاں
ہیں ہر پانچ میں ایک بکری ہے جب پچیس ہوں
پینتیس تک ایک سال کی اونٹنی ہے جب ان کی
تعداد چھتیس تک پہنچ جائے پینتالیس تک ان میں
دو سالہ اونٹنی ہے اور جب ان کی تعداد چھیالیس تک
ہو جائے ساٹھ تک ان میں حقہ (تین سال کی
اونٹنی) ہے جب وہ چھتر ہوں نوے تک ان میں
دو برس کی دو اونٹنیاں ہیں۔ جب وہ اکیانوے
ہوں ایک سو بیس تک ان میں دو حقے ہیں جو
لائق جفتی ہوں اگر اس سے بڑھ جائے تو ہر
چالیس میں دو برس کی اونٹنی ہے اور ہر پچاس
میں حقہ ہے۔ جس شخص کے پاس چار اونٹ ہوں
اس پر فرض نہیں ہے۔ مگر وہ ادا کرنا پسند کرے
جب اونٹ پانچ ہوں گے ان میں ایک بکری ہے
جس شخص کے اونٹوں میں جذعہ کی زکوٰۃ واجب ہو
چکی ہے اس کے پاس جذعہ نہیں ہے بلکہ اس کے
پاس حقہ ہے حقہ اس سے لیا جائے گا اس کے
ساتھ وہ دو بکریاں دے گا اگر میسر آسکیں یا بیس
درہم دے گا اور جس کے ذمہ حقہ کی زکوٰۃ واجب ہوئی
تھی اس کے پاس حقہ نہیں ہے بلکہ اس کے پاس جذعہ
ہے۔ اس سے جذعہ قبول کر لیا جائے گا اور مصدق

عشرين درهما ومن بلغت عنده
صدقة الحقة وليست عنده
الحقة وعنده الجذعة فانها
تقبل منه الجذعة ويعطيه المصدق
عشرين درهما او شاتين ومن
بلغت عنده صدقة الحقة وليست
عنده الا بنت لبون فانها تقبل
منه بنت لبون ويعطى شاتين
او عشرين درهما ومن بلغت
صدقته بنت لبون وعنده حقة
فانها تقبل منه الحقة ويعطيه
المصدق عشرين درهما او شاتين
ومن بلغت صدقته بنت
لبون وليست عنده وعنده بنت
مخاض فانها تقبل منه بنت
مخاض ويعطى معها عشرين درهما
او شاتين ومن بلغت صدقته
بنت مخاض وليست عنده
وعنده بنت لبون فانها
تقبل منه ويعطيه المصدق
عشرين درهما او شاتين
فان لم تكن عنده بنت
مخاض على وجهها وعنده

زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو بیس درہم یا دو
بکریاں دے گا جس پر حقہ کی زکوٰۃ واجب ہو چکی ہے
اس کے پاس بنت لبون (دو سال کی ہوتی) ہے
اس سے بنت لبون قبول کی جائے گی اور وہ دو
بکریاں یا بیس درہم اس کے ساتھ دے گا۔ جس
کے ذمہ بنت لبون تھی اور اس کے پاس حقہ
ہے اس سے حقہ قبول کیا جائے گا اور زکوٰۃ
وصول کرنے والا اس کو دو بکریاں یا بیس
درہم دے گا جس پر بنت لبون واجب تھی
وہ اس کے پاس نہیں ہے بلکہ اس کے
پاس بنت مخاض ہے وہ اس سے قبول کی
جائے گی اور اس کے ساتھ وہ بیس درہم
یا دو بکریاں دے گا۔ جس پر بنت مخاض
واجب تھی اس کے پاس بنت لبون ہے
مصدق اس کو بیس درہم یا دو بکریاں
دے گا۔ اگر اس کے پاس بنت
مخاض جو کہ واجب ہے نہیں ہے۔
اس کے پاس ابن لبون (دو سال
کا بچہ) ہے وہ اس سے قبول کیا
جائے گا۔ اور اس کے ساتھ اسے
کچھ نہیں دیا جائے گا۔

اِنْ تَطَوَّعَ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ
وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ۔

خلاصۂ حدیث:۔

اس حدیث کا خلاصہ یوں بیان کیا جاتا ہے تاکہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے۔
پانچ سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں لیکن جب ان کی تعداد ۵ یا اس سے زائد ۹ تک ہے تو ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے جب ان کی تعداد دس سے چودہ تک ہو جائے تو دو بکریاں زکوٰۃ دینا ہوں گی۔ لیکن جب اونٹوں کی تعداد ۱۵ سے ۱۹ تک ہو جائے تو تین بکریاں زکوٰۃ دینا ہوگی۔ ۲۰ سے ۲۴ تک ۴ بکریاں زکوٰۃ ہوں گی ۲۵ سے ۳۵ تک بنت مخاض واجب ہوگی۔ بنت مخاض اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اپنی عمر کا ایک سال پورا کرنے کے بعد دوسرے میں قدم رکھ چکی ہو۔ ۳۶ سے ۴۵ اونٹوں پر ایک بنت لبون زکوٰۃ واجب ہے اور بنت لبون وہ اونٹنی ہوتی ہے جو اپنی عمر کے دو سال پورے کرنے کے بعد تیسرے سال میں قدم رکھ چکی ہو۔
۴۶ سے ۶۰ اونٹوں تک ایک حقہ اونٹنی زکوٰۃ دیں حقہ وہ اونٹنی ہے جو اپنی عمر کے چار سال پورے کرکے پانچویں برس میں قدم رکھ چکی ہو۔
۶۱ سے ۷۵ اونٹوں پر ایک جزعہ اونٹنی زکوٰۃ کے طور پر واجب ہوگی۔ جزعہ اونٹنی وہ ہے جو اپنی عمر کے چار سال پورے کرنے کے بعد پانچویں برس میں قدم رکھ چکی ہو۔
۷۶ سے ۹۰ اونٹوں پر دو بنت لبون اونٹنیاں زکوٰۃ ہوگی۔ ۹۱ سے ۱۲۰ تک دو حقہ اونٹنیاں زکوٰۃ کے طور پر واجب ہوں گی۔
۱۲۰ اونٹوں کی تعداد سے زائد پر نصاب کے تعین میں دو مختلف روایات ہیں ایک مسلک کی تائید میں رسول اکرمؐ کا ایک مکتوب ہے جو عمر بن حزمؓ کے نام ہے۔ دوسرے مسلک کی تائید میں حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں جس میں ۱۲۰ اونٹوں

کی تعداد پر نصاب بیان ہوا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت علیؓ کے بیان کی پیروی کی ہے حضرت علیؓ کے قول کے مطابق جب اونٹوں کی تعداد ۱۲۰ سے اوپر ہو جائے تو حساب از سر نو کر لیا جائے۔

۲۔ گائے پر زکوٰۃ!

اموال مویشی میں گائے بیل اور بھینس بھینسے پر زکوٰۃ کے معاملے کا حکم ایک ہی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھینس کو گائے پر قیاس کر کے اس پر زکوٰۃ عائد کی جو گائے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ دونوں کا نصاب اور شرح زکوٰۃ ایک ہی ہے۔ یہ مویشی انسانی زندگی کے لیے ایک قیمتی سرمایہ تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان سے انسان خوراک اور دوسرے فوائد حاصل کرتا ہے کیونکہ یہ مویشی دودھ، نسل، کھیتی اور سیرابی کے کاموں میں آتے ہیں اور ان کی کھالیں اور گوشت بھی کام آتے ہیں اور مختلف علاقوں اور ماحول میں ان کے اور بھی متعدد فوائد ہیں۔ ان مویشیوں میں اس قدر فوائد ہونے کی وجہ سے ہی قدیم مصری جانوروں کی پرستش کرتے رہے ہیں اور ہندو آج تک کر رہے ہیں۔

طلوع اسلام کے وقت مویشی انسانی سرمایہ اور مال و دولت کا ایک نہایت ہی اہم جز تھے اس لیے احادیث پر زکوٰۃ کے واضح احکام موجود ہیں۔ گائے، بیل بھینس اور بھینسے وغیرہ کو زکوٰۃ دینے کے لیے تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی قسم میں وہ گائے، بیل، بھینسیں وغیرہ شمار کی جاتی ہیں جو افزائش نسل دودھ لینے یا گوشت وغیرہ کے لیے پالی جاتی ہیں اور ریوڑوں کی صورت میں رکھی جاتی ہیں۔ ان پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔

دوسری قسم کی وہ گائے بھینس وغیرہ ہوتی ہیں جو تجارت کے لیے رکھی جاتی ہیں اور ان کی خرید و فروخت کی جاتی ہے۔ ایسے مویشیوں پر بھی زکوٰۃ عائد ہو گی اور تجارتی اموال کے حساب سے ان کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

تیسری قسم کے وہ مویشی ہیں جن سے انسان محنت لیتا ہے۔ کنویں یا ہل میں جوتتا ہے یا باربرداری کا کام لیا جاتا ہے تو ایسے بیلوں بھینسوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

پہلی قسم کے مویشیوں پر زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ جس شخص کے پاس تیس گائیں یا بھینس یا بیل اور بھینسے ہوں یا مجموعی طور پر ان کی تعداد ملا کر تیس ہو جائے تو ان پر ایک تبیع یعنی وہ بچھڑی بچھڑا جو ایک سال گزار کر دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہو زکوٰۃ ہوگی۔ اور چالیس پر ایک مسنہ ہوگی۔ مسنہ سے مراد دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی ہے۔ اس کی تائید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم ہے جو آپ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن میں زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ ہر تیس بقرہ پر ایک تبیع اور ہر چالیس پر ایک مسنہ لیں۔

وَعَنْ مُعَاذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی الله عليه وسلم لَمَّا وَجَّهَهُ اِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهُ اَنْ يَاْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلٰثِيْنَ تَبِيْعًا اَوْ تَبِيْعَةً وَمِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اس کو یمن کی طرف بھیجا اس کو حکم دیا کہ تیس گائیوں میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے۔ اور ہر چالیس گائیوں میں دو سالہ بچھڑا ہے۔
(نسائی)

جب گائے کی تعداد ۴۰ سے ۶۰ تک ہو جائے تو گائے کا وہ بچہ جو دو سال گزار کر تیسرے سال میں داخل ہو جائے زکوٰۃ میں دیا جائے مثلاً ایک شخص کے پاس ۳۰ گائیں تھیں سال گزرنے کے بعد ان پر ایک بچھڑا ایک سال کی عمر کا زکوٰۃ ہوگی۔ اور ۳۹ تک یہی حکم ہے جب ۴۰ ہو جائیں تو پھر دو سال کا بچھڑا زکوٰۃ ہوگی۔ اور یہ حکم ۵۹ تک رہے گا۔ پھر ۶۰ پر دو تبیع یعنی ایک سال عمر کے دو بچھڑے زکوٰۃ ہوں گے اور ۶۹ تک یہی حکم رہے گا۔

۷۰ کی تعداد پر ایک تبیع اور ایک مسنہ زکوٰۃ ہوگی اور ۷۹ تک یہی حکم ہوگا۔ ۸۰ پر دو مسنہ زکوٰۃ ہوگی اور ۸۹ تک یہی حکم رہے گا۔ ۹۰ پر تین تبیع

زکوٰۃ ہو گی اور ۹۰ تک یہی حکم رہے گا۔ ۱۰۰ پر ۲ تبیع اور مسنہ دینا ہوں گے۔
۱۰۰ تک یہی حکم رہے گا۔ ۱۱۰ پر ایک تبیع اور دو مسنہ زکوٰۃ کے دینے پڑیں گے
اس طرح ہر دس کے اضافے پر تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف
تبدیل ہوتا رہے گا۔

۳۔ ڈیری فارموں پر زکوٰۃ

جانوروں کی افزائش نسل اور تعداد بڑھانے کے لیے جدید دور میں فارموں
کا قیام ہے جن میں گائے بھینسیں پالی جاتی ہیں اور رکھی جاتی ہیں اور ان سے
تجارتی منافع اور دوسرے مختلف مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں تو ایسے جانوروں
پر زکوٰۃ ہو گی۔ البتہ اگر ڈیری فارم ہو جہاں مویشیوں سے دودھ حاصل کر کے
فروخت کیا جاتا ہو تو ڈیری فارم کے جانوروں پر زکوٰۃ نہ ہو گی۔ البتہ جو مصنوعات
یعنی دودھ، مکھن، پنیر وغیرہ ہو گا تو وہ سامان تجارت میں شمار ہو گا اور
اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور تجارتی اموال کے حساب سے اس کی زکوٰۃ دی جائے

۴۔ بھیڑ بکری پر زکوٰۃ!

بھیڑ بکری پر شرعاً زکوٰۃ عائد ہے دنبہ، بکرا وغیرہ بھی اسی حکم میں آتا
ہے سب کا نصاب اور شرح زکوٰۃ ایک ہی ہے۔
بھیڑ بکریوں پر زکوٰۃ کا حکم رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان صدقہ
میں ہے جو یہ ہے۔

وَفِي صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِي سَائِمَتِهَا	اور بکریوں کی زکوٰۃ میں جو باہر چرنے والی ہیں
إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ إِلَى عِشْرِينَ	جب چالیس ہوں ایک سو بیس تک اس میں ایک
وَمِائَةٍ شَاةٌ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى	بکری ہے۔ جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں اور
عِشْرِينَ وَمِائَةٍ إِلَى مِائَتَيْنِ شَاتَانِ	دو سو ہو جائیں تو اس میں دو بکریاں ہیں۔ جب

شاتان فإذا زادت على مائتين إلى
ثلاث مائة ففيها ثلاث شياه فإذا
زادت على ثلاث مائة ففي كل مائة
شاة فإذا كانت سائمة الرجل
ناقصة من أربعين شاة واحدة
فليس فيها صدقة إلا أن يشاء
ربها ولا تخرج في الصدقة هرمة
ولا ذات عوار ولا تيس إلا ما
شاء المصدق ولا يجمع بين
متفرق ولا يفرق بين مجتمع
خشية الصدقة وما كان من خليطين
فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية
وفي الرقة ربع العشر فإن لم
تكن إلا تسعين ومائة فليس فيها
شيء إلا أن يشاء ربها

دو سو سے زیادہ ہو جائیں تین سو تک تو اس میں
تین بکریاں ہیں۔ جب تین سو سے بڑھ جائیں
تو ہر سو میں سے ایک بکری ہے جب کسی آدمی
کی چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک دو کم ہوں
تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ مگر ان کا مالک
زکوٰۃ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ زکوٰۃ میں
بوڑھی بکری عیب والی بکری اور بکرا نہ لیا
جائے گا۔ ہاں اگر مصدق پسند کرے تو لے سکتا
ہے۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے متفرق جانوروں کو
جمع نہیں کیا جائے گا اور جمع جانوروں کو متفرق نہیں
کیا جائے گا جو بکریاں دو شریکوں کی ہیں ان کو برابری
کے ساتھ تقسیم کر کے ان سے زکوٰۃ لی جائے گی چاندی
میں چالیسواں حصہ ہے اگر کسی کے پاس ایک سو نوے
درہم ہوں تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر ان کا مالک
ادا کرنا چاہے تو دے سکتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں بکریوں کے نصاب زکوٰۃ کا نقشہ اس طرح بنتا ہے۔

مویشی بکریوں کی تعداد				زکوٰۃ کی مقدار
از	۱	تا	۳۹	کچھ نہیں
"	۴۰	"	۱۲۰	۱۔ بکری
"	۱۲۱	"	۲۰۰	۲۔ بکریاں
"	۲۰۱	"	۳۹۹	۳۔ بکریاں
"	۴۰۰	"	۴۹۹	۴۔ بکریاں
"	۵۰۰	"	۵۹۹	۵۔ بکریاں

اور اسی طرح ہر سو پر ایک بکری۔

اگر کسی کے پاس مختلف قسم کے جانور ہوں تو ان سب کو ملا کر نصاب عائد ہوگا۔ بھیڑ بکریوں کی تعداد میں چھوٹی اور بڑی عمر کی بکریوں کا لحاظ نہ ہوگا۔ بلکہ سب پر مجموعی زکوٰۃ عائد ہوگی اور اس کی سند سفیان بن عبداللہ کا بیان ہے۔ جب وہ طائف کے گورنر تھے ایک مرتبہ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا یا امیرالمومنین بھیڑ بکری والے ہم سے شکایت کرتے ہیں کہ تم زکوٰۃ کے لیے ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے بھی شمار کرتے ہو لیکن ان میں سے کوئی چھوٹا بچہ زکوٰۃ میں قبول نہیں کرتے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کے ریوڑ تمام بچے بھی شمار کرو مگر انہیں زکوٰۃ میں نہ لو۔

حضرت عمرؓ کی ایک اور روایت ہے کہ بھیڑ دوسرے سال میں لگنے والی عمر کی ہو اور بکری تیسرے سال میں ہو تو بھیڑ بکریوں میں نر اور مادہ میں کوئی تفریق نہ ہوگی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ زکوٰۃ میں جو جانور دیا جائے وہ متوسط درجے کا ہو۔

۵۔ گھوڑوں کی زکوٰۃ کا بیان

گھوڑا پالتو جانور ہے جو انسان کے لیے بڑا مفید ہے۔ انسان اس سے آمد و رفت کے بے شمار کام لیتا ہے اور سب سے زیادہ اس کا فائدہ باربرداری کا ہے گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں۔ اس کی تائید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ معاف کر دی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِیْ عَبْدِهٖ وَلَا فِیْ فَرَسِهٖ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَیْسَ فِیْ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن پر اس کے غلام اور گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ایک روایت میں اس کے غلام پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ صدقہ

عَبْدِہٖ صَدَقَۃٌ اِلَّا صَدَقَۃَ الْفِطْرِ، فطرے۔ (بخاری)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان سے اس کے غلام اور اس کے گھوڑے پر کوئی زکوٰۃ نہیں کیونکہ آپ کے زمانہ میں جہاد کے لیے گھوڑے پالے جاتے تھے اس لیے ایسے گھوڑے جو غازیوں کے ہوں ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر گھوڑے گدھے اور خچر وغیرہ تجارت کے لیے پالے جائیں اور ان کی تجارت کی جائے تو ان کا شمار اموال تجارت میں آجائے گا اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب گھوڑوں کی تجارت آغاز سال میں اور سال کے آخر میں دوسو درہم چاندی یعنی ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو تو گھوڑوں کی قیمت پر شرح زکوٰۃ ۲½ فیصد ہوگی۔

۴۔ دیگر جانوروں پر زکوٰۃ!

خچر، گدھے، مرغیاں وغیرہ پر کوئی زکوٰۃ کا نصاب نہیں اگر وہ تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ ایسے ہی جنگلی جانور ہرن بارہ سنگھا، نیل گائے وغیرہ پر بھی زکوٰۃ نہیں بشرطیکہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔

مرغی خانہ کی مرغیوں پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی جو صرف انڈوں کی فروخت کے لیے قائم کیا گیا ہو لیکن فروخت ہونے والے انڈوں پر زکوٰۃ ہوگی۔ ایسے ہی جو مرغی خانہ مرغیوں کا گوشت فروخت کرنے کے لیے ہو تو مرغیاں اموال تجارت میں شمار کی جائیں گی اور ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ شوقیہ طور پر جو جانور یا مرغیاں پالی جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

۵۔ زمین کی اندرونی اور بحری دولت پر زکوٰۃ

زمین سے عموماً تین طرح کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ ایک معدن۔ دوسرا دفینہ

اور میری سمندر سے حاصل ہونے والی اشیاء۔ ان تینوں پر زکوٰۃ کے احکامات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ معدن پر زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے انسانی تصرف کے لیے زمین کو معدنی وسائل سے مالا مال کیا ہے۔ بے شمار قدرتی دولت کے خزائن زمین میں چھپے پڑے ہیں۔ معدنیات ٹھوس، مائع، گیس یعنی تینوں قسم کی ہوتی ہیں۔ معدنیات فضلِ خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ (البقرة: ۲۶۷)

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔

معدنیات سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ، تانبہ، گندھک، فاسفورس، کرومائیٹ تارکول، معدنی تیل وغیرہ شمار کیا جاتا ہے۔ اگر یہ معدنیات حکومت کے قبضہ میں ہوں تو زکوٰۃ سے مبرا ہیں اور جب معدنیات کسی فرد کی ملکیت ہوں تو ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ زیادہ تر معدنیات حکومت ہی کے قبضہ میں ہوتی ہیں۔ انفرادی ملکیت بہت کم ہوتی ہے۔ معدنیات پر زکوٰۃ کے سلسلہ میں ائمہ میں معدنیات کی نوعیت پر اختلاف ہے لیکن معدنیات خواہ کسی قسم کی ہوں۔ جب کوئی شخص ان کو نکالے تو اس پر خمس ادا کرے۔ اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ (۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مویشی کا زخمی کرنا معاف ہے، جانور کنواں کھدواتے ہوئے اس میں کوئی گر کر مر جائے معاف ہے، اور کان کھدوانے میں کوئی گر کر مر جائے معاف اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔ (بخاری)

اس حدیث میں رکاز کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق زمین کے اندر دفن
مال و دولت پر ہوتا ہے خواہ یہ دولت اللہ تعالیٰ نے معدن کی صورت میں قدرتی
طور پر چھپائی ہو یا کسی شخص نے غیر فطری طور پر خود کوئی خزانہ دبایا ہو ہر صورت
میں اس پر خمس واجب ہوگا۔

پہاڑی علاقے یا کسی زمین سے قیمتی پتھر فیروزہ، نیلم، یاقوت، زمرد، عقیق
ہونے کا پتھر وغیرہ نکل آئے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ رسول اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ پتھر پر خمس واجب نہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص
ان کی تجارت کرتا ہے تو اسے صاحب نصاب ہونے کی صورت میں ۲½ فیصد
کے حساب سے زکوٰۃ البتہ عنبر پر خمس ہوگا۔ چونکہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں
عنبر پر خمس وصول کیا تھا۔

معدنی تیل اور قدرتی گیس انسانی بنیادی ضروریات سے ہے اگر حکومت
بذات خود زمین سے اشیاء نکالتی ہو تو اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی اس کے برعکس
کوئی فرد یا کوئی کمپنی یہ اشیاء زمین سے نکالتی ہے تو پھر اسے صاف کر کے فروخت
کر کے نفع حاصل کیا جاتا ہے تو اس صورت میں اس پر زکوٰۃ دینا واجب ہے
اور اس کی شرح ۲½ فیصد یعنی چالیسواں حصہ ہوگا۔

۲۔ مدفون خزانے پر زکوٰۃ

پہلے وقتوں میں لوگ سونا چاندی یا اس کے
سکوں کو محفوظ کرنے کے لیے زمین میں دفن
کر دیتے تھے اور بوقت ضرورت نکال لیتے تھے۔ اگر کوئی شخص دفن کرنے کے بعد
بھول گیا ہو یا دنیا سے چلا جائے تو وہ کنز ہو جائے گا۔ اس دفن شدہ مال کو عربی
میں رکاز کہا جاتا ہے جس پر زکوٰۃ خمس کی صورت میں عائد ہوتی ہے۔

زمین کھودتے ہوئے اگر کسی شخص کو اپنی مملوکہ زمین سے کوئی دفینہ مل جائے تو
وہ سارا اس کا ہوگا۔ مگر کسی کو کہیں باہر سے ایسی جگہ سے خزانہ ملا جو مباح ہو یعنی
اس سے ہر کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہو تو وہ اس شخص کا ہوگا جسے ملے گا۔

مثلاً ایک شخص اپنا مکان تعمیر کرنے لگا اس کی بنیادیں کھودنے سے اسے خزانہ مل گیا تو وہ رکاز اس کی ملکیت ہوگا۔ ایسے ہی حکومت نے ایک نہر کھدائی اور کھودنے والے مزدوروں کو مدفون خزانہ ملا تو اس مزدور کا نہ ہوگا بلکہ اس کا مالک وہ ہوگا جو کھدوا رہا ہے۔ ایسے ہی چند اشخاص مل کر ایک کنواں کھدیں اور کھودتے وقت مدفون مل جائے تو مدفون اسی کی ملکیت ہوگا جس نے کھدوایا ہے۔

دلقصہ ہر صورت میں جس شخص کو بھی مدفون خزانہ مل جائے اس کو چاہیئے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیوے یا اسلامی مملکت کے عاملین زکوٰۃ کے ذریعہ بیت المال میں جمع کروا دیوے۔

مدفون خزانے پر خمس کے وجوب کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی بیان کردہ یہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رکاز یعنی دفینے پر خمس ہے۔ دفینہ رکاز ہے نیز ایک اور روایت یہ ہے جسے امام نسائی نے بیان کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ (گری ہوئی شے) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شے تمہیں ایسی راہگذر سے ملے جس پر لوگ چلتے ہوں یا کسی آبادی بستی سے ملے تو ایک سال تک اس کا اعلان کرو اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے دو۔ ورنہ وہ تمہاری ہوئی اور جو شے عام راستے یا آبادی بستی سے نہ ملے اور جو دفن شدہ خزانہ ملے اس پر خمس دینا لازم ہے۔

آثار قدیمہ میں جو قیمتی نوادرات ملتے ہیں اگر انہیں بطور یادگار رکھ لیا جائے تو ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی البتہ کوئی ان کی تجارت شروع کر دے تو ایسے نوادرات کا شمار تجارت میں آجائے گا۔ اور اموال پر نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۴۔ سمندر سے حاصل ہونیوالی اشیاء پر زکوٰۃ

سمندر میں اللہ نے بے تعداد مادی دولت کے وسائل پیدا کر رکھے ہیں جن سے انسان فائدہ حاصل کرتا ہے۔ یہ پوشیدہ دولت دو

دریائی ہے۔ ایک ترقیتی اشیاء ہیں۔ دوسرے خوراک میں استعمال ہونے والا جانور، مچھلی ہے۔ مچھلی پر بذات خود نصاب زکوٰۃ عائد نہیں جس طرح گائے، بیل، بکری وغیرہ کا نصاب ہے۔ البتہ اس کی تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو اموال تجارت پر زکوٰۃ دینے کا طریقہ ہے۔ مچھلی خواہ سمندر سے حاصل کی گئی ہو یا کسی اور ذریعے یعنی دریا، جھیل، ندی، نالے وغیرہ سے یا فارم سے حاصل کر کے فروخت کرنے پر تجارتی اموال ہی کی طرح زکوٰۃ عائد ہوگی۔

مچھلی کے علاوہ سمندر سے بے شمار اشیاء حاصل ہوتی ہیں۔ ان اشیاء کے حصول کی ایک صورت تو انسانی کاوش ہے جس سے انسان سمندر کے اندر سے یا تہہ سے قیمتی اشیاء حاصل کرتا ہے اور اشیاء کے حصول کی دوسری صورت سمندر کا اپنے مدوجزر یا طلاطم کی بنا پر یہی اشیاء کو باہر پھینک دینا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں احناف کے نزدیک سمندر سے نکلے ہوئے مال پر خمس کا اطلاق ہوگا لیکن حنابلہ کے نزدیک سمندر سے نکلے ہوئے مال پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی۔ سمندر سے بڑی بڑی قیمتی اشیاء یعنی لعل و جواہر، موتی، گھونگے، سیپ وغیرہ حاصل ہوتے ہیں اور ایسے ہی سمندر سے حاصل ہونے والی تمام اشیاء کی عموماً تجارت کی جاتی ہے اس سمندری مال کا تجارتی اموال میں شامل ہونے کی وجہ سے خمس کی بجائے چالیسواں حصہ زکوٰۃ لی جائے گی۔ لیکن جس طرح مدفون خزانے یا معدنیات پر ایک سال کی شرط کی قید نہیں اسی طرح جو مال سمندر سے نکلے گا اس پر بھی سال کی قید نہیں۔ بہرکیف سمندر سے حاصل ہونے والی اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۶۔ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ

اس ارض کائنات کو معبود انسانیت نے اپنے پیارے محبوب کی خاطر پیدا کیا۔ اسے آراستہ و پیراستہ کر کے تاثیر پیداوار سے مالامال کیا اور پیداوار سے

انسانی حیات کی بقا وابستہ ہے کیونکہ حضرت انسان اپنی ضروریاتِ زندگی کی بہت سی اشیاء زمین ہی سے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا زمین اللہ کی نعمتوں میں سے ہے اور اس نعمت سے اللہ کی مزید نعمتیں یعنی نباتات، پھل، پھول اور ہر قسم کے جو اس پیدا ہوتے ہیں لہٰذا یہ زرعی سرمایہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے اور قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

۱۔ وهو الذي مد الأرض وجعل فيها رواسي وأنهارا ومن كل الثمرات جعل فيها زوجين اثنين يغشي الليل النهار إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون ۝ وفي الأرض قطع متجاورات وجنات من أعناب وزرع ونخيل صنوان وغير صنوان يسقى بماء واحد ونفضل بعضها على بعض في الأكل إن في ذلك لآيات لقوم يعقلون ۝

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور زمین میں ہر قسم کے پھل دو دو طرح کے بنائے۔ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے اور زمین کے مختلف قطعے ہیں اور پاس پاس ہیں اور باغ ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجوریں ایک تنے سے دو گئے اور بعض اکیلے سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے سے بہتر کرتے ہیں ذائقے میں بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔ (پارہ ۱۳ - سورۃ الرعد - آیت ۳-۴)

۲۔ وآية لهم الأرض الميتة أحييناها وأخرجنا منها حبا فمنه يأكلون ۝ وجعلنا فيها جنات من نخيل وأعناب وفجرنا فيها من العيون ۝ ليأكلوا من ثمره وما عملته أيديهم أفلا يشكرون ۝ سبحان الذي خلق الأزواج كلها مما تنبت الأرض ومن أنفسهم ومما لا يعلمون ۝

اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا تو اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں باغ بنائے کھجوروں اور انگوروں کے اور ہم نے اس میں کچھ

چشمے بہائے کہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور یہ ان کے ہاتھ کے بنائے نہیں تو کیا حق نہ مانیں گے۔ پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں۔

(پارہ ۲۳، سورہ یسین آیت ۳۳-۳۵)

۳۔ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝

اور زمین رکھی مخلوق کے لیے اس میں میوے اور غلاف والی کھجوریں اور بھس کے ساتھ اناج اور خوشبو کے پھول تو اے جن و انس تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ (پارہ ۲۷، سورہ الرحمن آیت ۱۰ - ۱۲)

۴۔ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

بیشک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے اسباب بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ (پارہ ۸، سورہ الاعراف، آیت ۱۰)

۵۔ فصلوں پر عشر

زمین سے پیدا ہونے والی فصلوں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر کہا جاتا ہے کیونکہ زمینی پیداوار انسانی زندگی کے لیے بڑی اہم ہیں اور یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے بدل اشتراک میں انسان دوسری اشیائے ضرورت لے سکتا ہے۔ چنانچہ پیداوار ایک نفع بخش کاروبار ہے جس سے انسان بے پناہ مال و زر حاصل کرتا ہے اس لیے اسلام میں زرعی سرمائے پر زکوٰۃ عائد کی ہے جسے عشر کا نام دیا گیا ہے اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

اللہ ہی ہے جس نے کچھ زمین پر بچھے ہوئے اور کچھ پر چڑھائے باغ اور کھجور اور کھیتی جس کے رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار جو کسی بات میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور کسی میں غیر مشابہ ہیں۔ کھاؤ اس کا پھل جب پھل لائے اور اس کا حق ادا کرو جس دن اس کی فصل کٹے۔ اور اسراف نہ کرو۔ بیشک بیجا خرچنے والے اسے پسند نہیں۔ (پارہ ۸ - سورہ انعام - آیت ۱۴۲)

اس آیت میں فصل کاٹنے کے موقع پر حق ادا کرنے کا مطلب فرض زکوٰۃ یعنی عشر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مشہور صحابی مفسر کی بھی یہی رائے ہے کہ اس آیت سے مراد فرض صدقہ یعنی عشر یا نصف عشر ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے بھی اس آیت سے مراد عشر یا نصف عشر قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۔

اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی ہوئی دولت سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے، اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اس کی راہ میں ناقص دینے کا ارادہ نہ کرو حالانکہ اس میں سے تمہیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو۔ اور جان لو کہ اللہ بے پرواہ تعریف کیا گیا ہے۔ (پارہ ۳ - سورہ بقرہ - آیت ۲۶۷)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ زمین سے جو کچھ اگایا گیا ہے اس سے خرچ کرو۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی راہ میں دو۔ جس میں فصلوں کی زکوٰۃ یعنی عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کا مفہوم مضمر ہے۔

[illegible] اور اسلامی معاشیات میں عشر سے مراد پیداوار کا وہ حصہ ہے جو اللہ کی راہ میں دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اسے اسلامی حکومت وصول کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ جہاں اسلامی بیت المال کا معقول انتظام

ممکن نہیں۔ چنانچہ فصل کی آبپاشی کے لیے دو ذرائع ہیں۔ ایک ذریعہ قدرتی بارش چشمے، ندی، دریا اور نالے کا پانی ہے۔ ایسی پیداوار جو قدرتی پانی سے سیراب ہو اس سے حاصل [illegible] پیداوار کا دسواں حصہ [illegible] میں دینا فرض ہے۔

علاوہ ازیں جس فصل کو انسان اپنی کاوش اور محنت سے سیراب کرتا ہے یعنی کسی نہر، ٹیوب ویل، رہٹ وغیرہ سے پانی دیتا ہے تو ایسی فصل پر پیداوار کا بیسواں حصہ فرض ہے۔

۳۔ قابلِ عشر پیداوار

وہ زرعی پیداوار جن پر زکوٰۃ واجب ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق یہ ہیں۔

وَعَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ مُرْسَلٌ۔

حضرت موسیٰ بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس معاذ بن جبل کا خط ہے جو ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کر دیا تھا۔ آپ نے اس میں حکم دیا تھا کہ گندم، جو، منقہ اور کھجور سے زکوٰۃ وصول کریں۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ روایت کیا اس کو شرح السنہ میں۔

اس حدیث میں صرف چار چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو اشیاء عرب میں کاشت کی جاتی تھیں آپ نے ان کا ذکر فرما دیا۔ بہت سی ایسی اجناس ہیں جن کی عرب کے علاقے میں کاشت نہیں کی جاتی تھی اس لیے ان کا ذکر نہ آیا۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک کھیت میں گندم پیدا ہوتی ہو اور اس کے قریب ہی کوئی دوسری فصل پیدا ہوتی ہو۔ گندم پر تو زکوٰۃ عائد ہو اور دوسری فصل کو سرے ہی سے چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ گندم پر زکوٰۃ عائد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے جو بھی قابلِ استعمال فصل پیدا ہو اس پر عشر واجب ہے اس لیے چاول، مکئی، جَو، جوار، باجرہ، دالیں اور دیگر سبھی اجناس کا شمار قابلِ عشر اشیاء میں ہوگا۔

اس مسئلے پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ ہر ارضی پیداوار پر زکوٰۃ ہے جس سے افزائشِ زمین مقصود ہو اور جس سے لوگ بالعموم فائدہ حاصل کرتے ہوں زکوٰۃ ہے اور ان کے نزدیک لکڑی، گھاس پھوس اور ایرانی بانس مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ ان اشیاء کی لوگ بالعموم پیداوار نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے زمین کو صاف کر دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص (حصولِ منفعت کے لیے) لکڑی والے درخت یا بانس یا گھاس سے زمین میں اگائے تو اس پر عشر عائد ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پیداواری اشیاء کے غذائی اشیاء ہونے کی شرط نہیں ہے، اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ وہ شئے ذخیرہ کی جا سکے۔ خشک ہو سکے، اس کو کیل (وزن) کیا جا سکے اور یا اسے کھایا جائے۔

بہرحال، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک گنے، روئی، پٹ سن اور اس قسم کی دیگر اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہے باوجودیکہ یہ اشیاء نہ تو خوردنی ہیں اور نہ غذائی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تمام پھلوں پر زکوٰۃ ہے مثلاً سیب، امرود، شفتالو، کشمش، انجیر اور آم وغیرہ خواہ یہ پھل خشک ہو جانے والے ہوں یا نہ ہوں۔ اور ان کے نزدیک سبزیوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جیسے کھیرا اور ککڑی اور تربوز اور بینگن گاجر، شلجم اور مولی وغیرہ۔

امام ابو حنیفہؒ کے اپنے اس مسلک کے حق میں درج ذیل دلائل ہیں۔

۱۔ فرمانِ نبوی۔ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ۔ عام ہے اور اس میں زمینی پیداواروں میں کوئی فرق نہیں۔

۲۔ فرمانِ الٰہی۔ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ۔ باغوں کی خوردنی اشیاء (سیب، کھجور، زیتون اور انار) کے توڑنے کے بعد آ جاتے ہیں حد سے سبزیوں پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کہ ان میں سے کاٹنے کے دن حق ادا کرنا بہ نسبت حبوب (دانوں) کے زیادہ سہل ہے، جبکہ دانوں کو صاف کرنے کے دن تک رکھنا ہوگا۔

الغرض پھلوں اور سبزیوں پر عشر کے بارے میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہے لیکن بہتر طریقہ یہی ہے کہ پھلوں اور سبزیوں کی پیداوار جب توڑنے کے قابل ہو جائے تو اس وقت عشر یا نصف عشر یعنی زمینی کیفیت کے مطابق ادا کر دیا جائے کیونکہ پھلوں اور سبزیوں پر خدا کی راہ میں دینا بہت ہی افضل ہے۔

۴۔ عشر واجب ہونے کی شرائط

عشر صرف عشری زمین کی پیداوار پر واجب ہے اور عشری زمین کی تعریف یہ ہے کہ جو زمین مسلمانوں کو کفار سے جنگ کر کے حاصل ہو اور اسے مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جائے یا کسی علاقے کے لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے ہوں تو اس طرح مسلمانوں کو حاصل ہونے والی زمین عشری زمین کہلاتی ہے۔

میرے خیال کے مطابق زمانہ حال میں اسلامی ملکوں میں جو زمین بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور مسلمان اس میں فصل اگاتے ہیں وہ سب عشری زمین ہے اور غیر مسلم ریاستوں میں بھی جو زمین مسلمانوں کی ملکیت یا قبضہ اختیار میں ہے اور اس سے فصل پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی عشری زمین کے زمرے میں شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ سالہا سال سے مسلمانوں کے قبضہ اختیار میں رہنے سے وہ زمینیں عشری ہی ہیں کیونکہ کسی زمانہ میں یہ زمین مسلمانوں نے فتوحات کی صورت میں غیر مسلموں ہی سے حاصل کی تھی۔

اسلامی ریاست میں زمین جو کسی غیر مسلم کے قبضہ میں ہو گی۔ عشری نہیں کہلائے گی تو ایسی زمین پر عشر واجب نہیں۔ البتہ اگر کوئی زمین غیر مسلم چھوڑ کر چلے جائیں اور حکومت اس زمین کو مسلمانوں میں تقسیم کر دے تو وہ عشری زمین کہلائے گی کسی مسلمان کی عشر والی زمین کو کوئی غیر مسلم خرید لے تو وہ زمین عشری نہ رہے گی۔ البتہ عشری زمین مسلمانوں کے ہاتھوں خرید و فروخت سے عشری رہے گی۔ عشری زمین جو پشت در پشت وراثت چلی آئے تو وہ زمین عشری ہی رہے گی۔ اور عشری زمین کی پیداوار پر عشر فرض ہے۔

ہر وہ شخص جو زمین سے پیداوار کے حصول کا مجاز ہے اس پر عشر فرض ہے لہٰذا عشر کے لیے کسی شخص کا عاقل اور بالغ ہونا شرط نہیں لہٰذا نابالغ بچہ یا مجنون کی زمین کی پیداوار پر بھی عشر فرض ہے۔

عشر کی ادائیگی کے لیے زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں چنانچہ مزارعت پر لگی زمین کی پیداوار پر عشر عائد ہوگا۔

عشر میں پیداوار پر ایک سال گزرنے کی شرط نہیں چنانچہ سال میں جتنی مرتبہ فصل ہوگی یا سال میں کسی درخت پر جتنی مرتبہ بھی پھل لگے گا۔ اتنی مرتبہ عشر عائد ہوگا۔

عشر صرف مسلمانوں پر واجب ہے غیر مسلموں پر نہیں اور غیر مسلموں سے خراج لیا جائے گا۔ لہٰذا اگر کوئی ذمی مسلمانوں سے عشری زمین خریدے اور قبضہ بھی کرلے تو ذمی سے عشر نہیں لیا جائے گا۔

۵۔ پیداوار کا نصاب

زرعی پیداوار کا نصاب یہ ہے کہ جب فصل یا پھل کی مقدار ۵ وسق[1] ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اس کی دلیل کہ ۵ وسق سے کم پر زکوٰۃ نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلہ اور کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ وہ پانچ وسق ہوں۔

(نسائی شریف)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ عشر فرض ہونے کے لیے کسی نصاب کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ زرعی پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر واجب ہے۔ البتہ ایک صاع سے کم پیداوار پر زکوٰۃ نہیں مگر صاحبینؒ اور دیگر ائمہ کی یہی رائے ہے کہ ۵ وسق سے

---

[1] ۵ وسق [illegible] کلوگرام کے برابر ہے

کم پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ یہ نظریہ زیادہ قوی ہے اسی کے متعلق حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ایک اور روایت یہ ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں۔ پانچ اوقیہ (دو سو درہم) سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں۔ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں۔

۶۔ تخمینہ لگانا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اور انگور کے سلسلے میں زکوٰۃ کا تعین پیمانے اور وزن کی بجائے تخمینے پر مقرر فرمایا ہے اور اس کی وجہ جواز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث ہیں۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ.

حضرت سہلؓ بن ابی حثمہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جب تم اٹکل لگاؤ تو تیسرا حصہ چھوڑ دو۔ اگر تم ایک تہائی نہ چھوڑو تو چوتھائی حصہ چھوڑ دو۔

(نسائی شریف)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُودَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِينَ يَطِيبُ قَبْلَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنْهُ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو یہود کی طرف بھیجا وہ کھجوروں کا اٹکل تخمینہ لگاتے جس وقت کھجوریں پک جاتیں اس سے پہلے کہ ان سے کھایا جاتا۔

(ابو داؤد)

وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي زَكَاةِ الْكُرُومِ إِنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا

حضرت عتابؓ بن اسید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی زکوٰۃ میں فرمایا اس میں تخمینہ لگایا جائے گا جس طرح کھجوروں میں تخمینہ لگایا

تُخْرَصُ النَّخْلُ فَتُؤَدَّى زَكَاتُهُ زَبِيبًا كَمَا تُؤَدَّى زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا ؕ

جاتا ہے پھر اس کی زکوٰۃ خشک انگوروں کی صورت لی جائے گی جس طرح خشک کھجوروں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

ان احادیث کا اطلاق انگور اور کھجور پر ہوتا ہے کہ ان کا اندازہ کر کے عشر نکالا جائے۔

مسائل عشر

۱۔ زکوٰۃ کی طرح عشر میں عشر دینے والے کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اسی طرح پیداوار سے عشر دے دے۔

۲۔ جن لوگوں کو زکوٰۃ دیا جاتا ہے انہی مستحقین کو عشر دینا چاہئے اور جن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی انہیں عشر بھی نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ گھر یا مکان کے صحن یا باغیچہ میں لوئی ہوئی سبزی یا پھل وغیرہ پر عشر نہیں۔

۴۔ خودرو پیداوار پر عشر نہیں ہوتا کیونکہ یہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں جیسے گھاس وغیرہ تو ان پر عشر نہیں۔ کیونکہ اس سے زمین کا منافع حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

۵۔ کھیت بونے پر اگر پیداوار خرابے کی شکار ہو جائے یا فصل گل سڑ جائے تو اس پر عشر ساقط ہوگا۔ بشرطیکہ تمام فصل تباہ ہو گئی اگر کچھ فصل باقی بچ گئی تو بچی ہوئی پیداوار پر عشر کی ادائیگی عائد ہو گی۔

۶۔ فصل تیار ہونے یا پھل پکنے سے پہلے اگر کوئی شخص اسے بیچ ڈالے تو عشر کی ادائیگی خریدار کے ذمہ ہو گی۔ اگر فصل یا پھل پکنے کے بعد فروخت کیا تو عشر بیچنے والے کے ذمہ ہوگا۔

۷۔ زمین جو شخص کاشت کرتا ہے عشر اس کے ذمہ ہوتا ہے خواہ اس نے زمین ٹھیکہ پر لی ہو یا عاریتاً لے کر کاشت کر رہا ہو۔

۸۔ اگر دو افراد کسی کاشت میں حصہ دار ہوں تو عشر دونوں حصہ داروں پر ہوگا۔ اور جتنی فصل حصے میں آئے گی اس پر عشر کی ادائیگی حصہ دار پر لازم ہے۔

۹۔ عشر فصل تیار ہونے پر اسے اولین فرصت میں ادا کر دیا جائے تاکہ اس عجلت کے باعث انسان کئی قسم کے وسوسوں سے بچ جائے کیونکہ نیک کام کرنے کے وقت شیطان اکثر انسان کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے تاکہ نیک کام نہ ہو۔ اس لیے جب فصل تیار ہو جائے تو کل پیداوار پر عشر نکال دیا جائے اور عشر ادا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے دوسرے مصارف ادا کیے جائیں لہذا ایک مسلمان کے لیے یہ اچھا نہیں کہ عشر نکالے بغیر ہی غلہ یا پیداوار ذاتی استعمال میں لے آئے۔

۱۰۔ عشر حکومت کے عاملین کو دینا چاہیئے اگر حکومتی سطح پر عشر وصول کرنے کا انتظام نہ ہو تو پھر خود عشر مستحقین میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔ اگر کوئی خوشی سے عشر روانہ کرے تو حاکم وقت جبراً لے سکتا ہے اور اس صورت میں بھی عشر ادا ہو جائے گا۔

۱۰

مصارفِ زکوٰۃ

مصارف زکوٰۃ وہ مدات ہیں جن پر شریعت نے زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور پھر تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کر دیا ہے تاکہ زکوٰۃ دینے والے بندے اس حکم کی پابندی کریں۔ زکوٰۃ کا حکم تو کئی مقامات پر اجمالاً آیا ہے لیکن مصارف کے متعلق تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا تاکہ کسی تقسیم کرنے والے کا ذاتی لالچ اور مرضی راہ نہ پا سکے۔ دینے والوں کو پابند کرنے کے ساتھ ہی قرآن مجید میں کئی مقامات پر لینے والوں پر بھی پابندی عائد کی ہے تاکہ لینے والے لوگ لالچی نہ بن جائیں اور زکوٰۃ کا مال لیتے وقت خدا سے ڈریں اور اللہ سے اپنی روزی کا ذریعہ مانگیں اس طرح لالچی لوگوں کو حدود کے اندر رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے تاکہ ایسے لوگ زکوٰۃ کا مال نہ کھائیں جو مستحق زکوٰۃ نہ ہوں کیونکہ عام لوگوں کا نفس رضائے الٰہی کے تابع کم رہتا ہے اس لیے کچھ لوگ زکوٰۃ کا مال حاصل کرنے کے لیے لالچ سے کام لیتے ہوئے اہل حاجت اور تنگ دستوں کا حق مار جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ افراد نے صدقات سے حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے ان کے طمع اور حرص کو مدنظر رکھتے ہوئے رد کر دیا تو اب وہ لوگ آپ سے خفا ہو گئے تو ان کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی زکوٰۃ حاصل کرنے والوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا تاکہ زکوٰۃ کا مال ان خصوصیات کے حامل لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۚ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۞	اور ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو جبھی وہ ناراض ہیں، اور کیا اچھا

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَ
رَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ
سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ
إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ○ إِنَّمَا
الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ
وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ
وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ
فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ

[illegible]

ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ کو متعین فرما کر منافقین کی غلط فہمی کا پوری طرح ازالہ کیا کہ میرا رسول تو میرے حکم کے مطابق زکوٰۃ کی تقسیم کرتا ہے کیونکہ منافقین کا اعتراض بیجا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ تقسیم زکوٰۃ کی مدات میری مقرر کردہ ہیں چنانچہ اس آیت میں جو زکوٰۃ کے مصارف بیان ہوئے ہیں صرف ان پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے لہٰذا کسی شخص کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ ان مصارف کے علاوہ اپنی مرضی سے زکوٰۃ کی رقم کسی اور مصرف پر خرچ کرے۔ اس کی تصدیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت زید بن حارث صدائی فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ میری قوم کے مقابلہ کے لیے ایک مسلمانوں کا لشکر روانہ فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ لشکر روانہ نہ کریں میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ سب مطیع و فرمانبردار ہو کر آ جائیں گے چنانچہ میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہو گئے لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کے

عجیب اور حقت امر ہے۔ اس پر حضرت زید نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کوئی کمال نہیں آپ کی توجہ اور اللہ کے کرم سے انھیں ہدایت ہوگئی اور وہ مسلمان ہو گئے اس گفتگو کے دوران ایک شخص نے صدقہ کی التجا کی اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ صدقات کی تقسیم کو نہ تعالیٰ نے کسی نبی یا کسی اور کے حوالے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے آٹھ مصرف متعین کر دیئے ہیں اگر تم ان آٹھ میں سے کسی میں سے ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں۔

مصارف زکوٰۃ میں جن لوگوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے ان میں صرف وہی لوگ شامل ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی حکمت کی بناء پر مستحق ٹھہرایا ہے یعنی ان میں بلکہ مستحق لوگ ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت اور اپنی رضا کے تحت کم دیا ہے اور دوسری طرف مال داروں کو دولت عطا کر کے ان پر پابندی عائد کر دی کہ تم انھیں زکوٰۃ دو تاکہ تقسیم دولت کا توازن قائم رہے اور اس کے ساتھ ہی یہ مالداروں کے لیے نصیحت بھی ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ نے انھیں دولت دی تو وہ دینے والے بنے۔

اسلامی حکومت اس امر کی پابند ہے کہ وہ حکومت کے بیت المال میں جمع کردہ زکوٰۃ کو صرف ان مصارف میں لائے جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی حکمران اللہ کے اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ جہاں حکومتی سطح پر تقسیم زکوٰۃ کا بندوبست نہ ہو تو وہاں انسان کو بذات خود زکوٰۃ تقسیم کرنی چاہیے اور تقسیم کے وقت انہی مصارف پر خرچ کیا جائے جن کا اللہ نے حکم دیا ہے لہٰذا اللہ کے بیان کردہ آٹھ مصارف حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ فقراء	۲:۔ مساکین	۳:۔ عاملین زکوٰۃ	۴:۔ تالیف قلوب
۵:۔ غلام آزاد کرنا	۶:۔ قرضدار	۷:۔ اللہ کی راہ	۸:۔ مسافر

۱:۔ فقراء

فقراء لفظ فقیر کی جمع ہے جس کا مطلب وہ نادار شخص ہے جو بنیادی ضروریات زندگی

یعنی روٹی کپڑا اور رہائش سے محروم ہو یا اس کے وسائل اتنے کم ہوں کہ جن سے زندگی کے شب و روز گزارنا مشکل ہوں اور نہ ہی کوئی ذریعہ معاش ہو جس سے وہ اپنی گزر اوقات کر سکے لہٰذا فقراء وہ ہیں جو اپنی معیشت میں دوسروں کی امداد کے خواہاں ہیں اس لیے تمام ان حاجتمندوں کا شمار اس مد میں ہوتا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے محتاج ہوں۔ قرآن مجید میں فقراء کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ
النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ
فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

ان فقیروں کے لیے جو راہِ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے۔ نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب، تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا۔ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو اللہ اُسے جانتا ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ آیت اصحابِ صفہ کے بارے میں اُتری صفہ ایک چبوترا ہے جو مسجد نبوی میں ہے جس پر اس زمانے میں فقراء رہتے تھے اور یہ وہ صحابہ تھے جن کے پاس نہ گھر تھا نہ ہی کوئی سامان اور نہ کوئی کاروبار تھا جس سے وہ اپنی گزر اوقات کرتے لہٰذا وہ ہمیشہ مسجد میں حاضر رہتے دن رات ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے جب جہاد ہوتا تو وہ جہاد میں بھی شامل ہوتے یہ لوگ دراصل مالی لحاظ سے غریب تھے اور ان کے لیے صفہ کا مقام مخصوص ہوا۔ ان کی غربت کا یہ حال تھا کہ ستر کے پاس جسم ڈھانپنے کے لیے پورا کپڑا نہ ہوتا تھا اور ان کی فاقہ مستی کا یہ عالم تھا کہ بعض ان میں سے بھوک کے باعث نماز میں گر جاتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما تھے کہ آپ نے ان کی سخت فقیری اور بھوک کی شدت کو دیکھ کر فرمایا کہ اے صفہ والو میری اُمت میں سے جو تمہاری طرح صابر شاکر اور پرہیزگار رہے گا وہ قیامت میں میرا رفیق ہوگا۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو! ایک وقت آئے گا کہ جب تمہارے سامنے دسترخوان پر غذاؤں کے پیالے رکھے جائیں گے انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس دن ہم آج سے بھی خیر میں ہوں گے۔

زکوٰۃ اور صدقہ دراصل ایسے فقیروں کا حق ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہو اور ہر طرح سے دین کی خدمت میں مشغول ہوں۔ وہ خدمت دین اور یادِ الٰہی کو طلب معاش سے بلند تصور کرتے ہوں مگر لوگوں سے اپنی ضرورت کے لیے سوال نہ کرتے ہوں تو ایسے لوگوں کی خدمت کرنا اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے چنانچہ میرے نزدیک فقراء دو طرح کے ہیں۔ ایک فقراء تو اللہ کے فقیر ہوتے ہیں ان کا مقام تو بہت بلند ہوتا ہے مگر ان پر بھی بسا اوقات تنگی اور عسرت کے دن آجاتے ہیں بلکہ کئی کئی روز تک فاقے کی نوبت آجاتی ہے مگر ہر حال میں وہ اللہ ہی پر بھروسا کیے ہوتے ہیں۔ کبھی یہ لوگ درویشوں کے گروپ میں مختلف مقامات پر مساجد میں ڈیرے جمائے ہوتے ہیں اور دن رات اللہ کے حضور میں جھکے رہتے ہیں اور کبھی کسی جنگل اور ویرانے میں محو عبادت رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی خصوصیت ہے کہ ایسے لوگ فاقہ مستی کے باوجود کسی کے آگے دست دراز نہیں کرتے تو ایسے لوگ ہی دراصل زکوٰۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں ان کے علاوہ دوسرے فقیر وہ ہوتے ہیں جو دنیا دار ہوتے ہیں اور لوگوں سے مانگ کر گزارہ کرتے ہیں ان میں بھی اکثر ایسے حاجتمند ہوتے ہیں اور اغنیاء کی مدد کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں مندرجہ ذیل قسم کے لوگوں کو زکوٰۃ دینا از روئے شریعت درست ہے۔

۱۔ اپاہج

ایسے لوگ جو پیدائشی طور پر جسمانی اعتبار سے کسی اعضاء سے محروم ہوں یا کسی حادثہ کی وجہ سے جسم کے کسی حصے سے محروم ہو جائیں اور اس جسمانی معذوری یعنی ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں وغیرہ محروم ہونے کی وجہ سے کام نہیں کر سکتے تو ایسے حضرات کو دینا جائز ہے۔ لیکن ایسے معذور حضرات جو صاحب حیثیت ہوں یا ان کی کفالت کرنے والے یا والدین صاحب نصاب ہوں تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ البتہ مستحق لولے، لنگڑے، اندھے اور کوڑھی کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ محتاج

محتاج وہ شخص ہے جو بظاہر تو تندرست ہو مگر ضعیف، طویل بیماری، جسمانی نقص اور پیدائشی ناتوانی کے باعث کمانے کے قابل نہ ہو

یا کسی ناگہانی آفت کے سبب بے روزگار ہو گیا ہو تو ایسے محتاج لوگوں کو تلاش کر کے زکوٰۃ دینا بہت بہتر ہے۔ ایسے ہی انتہائی بوڑھا شخص جس کا کوئی ذریعہ روزگار نہ ہو تو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔

۳۔ بیوگان ایسی عورتیں جن کے خاوند مر جائیں اور ان کی کفالت کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو وہ بھی مستحق زکوٰۃ ہیں۔ چنانچہ ایسی بیوہ عورتیں جو عیال دار ہوں یعنی ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں یا شادی کرنے والی بچیاں جوان ہو جو مال و زر نہ ہونے کی وجہ سے شادی کرنے سے مجبور رہیں تو ایسی بیوہ اور بچیوں کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

۴۔ یتامیٰ یتیم بچے بھی مستحق زکوٰۃ ہیں۔ چنانچہ ایسے یتیم بچے جن کا کوئی ولی نہ ہو اور نہ ہی ان کا کوئی ذریعہ آمدن ہو۔ انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ البتہ ایسے یتیم بچے جن کی جائداد یا وراثت میں کوئی ایسا اثاثہ مل جائے جس سے ان کا گزارہ ہو سکتا ہو تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یتیم خانوں کو بھی زکوٰۃ دینا درست ہے کیونکہ وہاں ایسے یتیم بچوں کو پالا جاتا اور ان کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے جن کی کفالت کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ میرے نزدیک ایسے ادارہ کو زکوٰۃ دینا بہت افضل ہے۔

۵۔ نادار دینی طلباء اگر کوئی شخص علم نافع کی طلب میں لگا ہوا ہو اور حصول علم کے ساتھ وہ کسب حلال نہ کر سکتا ہو تو اسے بقدر ضرورت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اور اس کے فریضہ حصول علم کی تکمیل کے لیے کتابوں کے لیے بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اس لیے کہ طالب علم دین فرض کفایہ ہے اور اس کے علم کا فائدہ خود اس تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام اُمّت کے لیے ہے اور یہ اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی مال زکوٰۃ میں سے مدد کی جائے کیونکہ زکوٰۃ کے مصارف کے دو پہلو ہیں کہ یا تو مسلمانوں میں سے جو محتاج ہو اسے دی جائے یا جس سے مسلمانوں کی ضرورت وابستہ ہو اس کو دی جائے اور یہاں یہ دونوں باتیں جمع ہیں۔

۲۔ مساکین

مساکین سے مُراد وہ تنگ دست اور مفلوک الحال لوگ ہیں جن کی آمدنی اخراجات کی نسبت بہت کم ہو، عیال دار ہوں، غربت کا شکار ہوں، خستہ حال ہوں، اپنی عزتِ نفس کی خاطر کسی کے سامنے سوال نہ کریں۔ لہٰذا مسکین سے مراد ایسا شخص ہے جو کاروبار کرنے والا یا برسرِ روزگار تو ہوتا ہے لیکن آمدنی اتنی قلیل ہو کہ اپنی تمام بنیادی ضروریات پوری نہ کر سکتا ہو۔ ہر انسان کی کچھ بنیادی ضروریات ہیں تو جب ایک شخص اپنے لیے کچھ کما تو رہا ہے لیکن اس کمائی سے اس کا اپنا اور اس کے اہل و عیال کا گزارہ نہیں ہوتا۔ اگر رہائش کا بندوبست کرتا ہو تو تن ڈھانپنے کے لیے کچھ نہیں بچتا اگر تن ڈھانپنے کا بندوبست کرتا ہے تو کھانے پر صرف کرنے کے لیے کچھ نہ بچے ... دن رات زندگی کی ضروریات پوری کرنے کی سوچ میں پڑا رہتا ہے لیکن عزتِ نفس اور سفید پوشی کی خاطر کسی سے سوال نہیں کرتا لہٰذا ایسا شخص جس کے پاس بنیادی ضروریات کی اشیاء کم ہوں تو وہ مسکنت کے زمرے میں آئے گا البتہ ضرورت سے زیادہ اشیاء ہوں تو مسکین نہ ہوگا۔ حدیث پاک میں مسکین کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ لوگ اس کی مالی امداد کریں اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے یعنی مسکین شریف النفس ہو اور غربت کا مارا ہو تو ایسے لوگوں کی زکوٰۃ سے مدد کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت کردہ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو ایک دو کھجور یا ایک دو لقمہ لے کر ٹل جائے بلکہ مسکین وہ ہے جو بے پرواہی کے باعث شرمائے اور نہ اپنی حالت ایسی رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور اگر کوئی دے دے تو لے لے ورنہ کسی سے خود سوال نہ کرے۔

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور اسے

گزارہ کرنے یا تن ڈھانپنے کے لیے سوال کرنا پڑے۔ ایسے شخص کے لیے سوال کرنا حلال ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور یہ فقیر سے بھی زیادہ حاجتمند ہوتا ہے۔ اور حنابلہ کے نزدیک مسکین وہ ہے جسے آدھی ضروریات یا اس سے زیادہ کے لیے مل جاتا ہو۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال یا حلال کمائی کا ذریعہ ہو جو اس کی ضروری مذکورہ بالا صرف آدھی ضروریات پوری کر سکے اور اس سے زیادہ نہ ہو۔ میرے نزدیک مسکین دو طرح کے ہیں۔ ایک راہِ حق و صداقت کے طالبان اور صوفیاء ہیں جو ظاہراً شرح کے پورے پابند ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کی راہ سلوک کی ابتدائی زندگی مالی بحران سے متاثر ہوتی ہے اور اکثر حالات میں اللہ کی طرف سے رزق کی کمی آزمائش رہتی ہے۔ رات دن ذکر و فکر میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ کمائی کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے۔ لہٰذا قدرتی طور پر ہی ابتدائی ایام میں ان کے حالات مسکینوں جیسے رہتے ہیں اور ایسے لوگوں نے اللہ کے سوا کسی سے کچھ مانگنا بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا زیادہ افضل ہے۔

دوسری طرح کے مسکین وہ نادار ہیں جن کے مالی وسائل کم ہوتے ہیں جس وجہ سے ان پر مسکنت رہتی ہے مگر بعض حالات میں انسان اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچ کرنے کی وجہ سے بھی مسکنت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے مسکین کی ظاہری حالت بھی قابلِ رحم ہوتی ہے اور لوگوں کو اس کی حالتِ زار پر رحم آتا ہے۔ ایسے لوگ بھی زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

۳۔ عاملینِ زکوٰۃ

لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے اور پھر اسے مستحقین میں تقسیم کرنے والوں کو عاملینِ زکوٰۃ کہا جاتا ہے کیونکہ قرآن کی سورت توبہ میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ان کے مالوں میں سے صدقہ لو

اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اسلامی حکومت لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا پورا پورا انتظام کرے۔ تو لامحالہ جب حکومتی سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کا بندوبست کیا جائے گا تو حکومت کو ایک پورا محکمہ یعنی عاملین زکوٰۃ قائم کرنا پڑے گا۔ تو یہ محکمہ ان لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور وصول شدہ مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا حساب رکھتے ہیں اور پھر اسے مستحقین میں تقسیم کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کی تنخواہیں اور اس محکمے کا پورا خرچ یعنی عاملین کے دفاتر کا کرایہ، سٹیشنری اور دیگر اخراجات اسی مد سے پورے کیے جائیں۔ اور اس مد کے بارے میں شرعی احکام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عاملین کی تعریف

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عامل وہ ہے جسے زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کے لیے حکومت نے مقرر کیا ہو۔ اس کو کام کی نوعیت کے مطابق اجرت دی جائے گی (الہدایہ)

فقہ مالکیہ کے مطابق عامل زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے محصل مقرر کیے جائیں۔ ان میں زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے اور تقسیم کرنے والے اور اموال مویشی کی زکوٰۃ اکٹھا کرنے والے اہل کاروں کو مال زکوٰۃ سے اجرت دی جا سکتی ہے۔ خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ عامل علی الزکوٰۃ وہ شخص ہے جسے زکوٰۃ وصول کرنے کے کام میں دخل ہو مثلاً محصل یا تحویل دار ایسے شخص کو زکوٰۃ اس حال میں ملے گی جب کہ امام تقسیم کرے اور اس کی تنخواہ پہلے سے مقرر نہ ہو لہٰذا اس کو مقدار وصول یابی کے مطابق اجرت دی جائے گی۔

فقہ حنبل کے نزدیک عامل زکوٰۃ وہ ہے جس کا رکھنا وصولی زکوٰۃ کے لیے ضروری ہو اس کے کام کی نوعیت کے اعتبار سے اسے اجرت دی جائے اگرچہ وہ مالدار ہو۔

عاملین زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ مجتہدین کی تعریفوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عامل زکوٰۃ اسلامی حکومت کا اہل کار ہوتا ہے کوئی شخص اپنے آپ ہی زکوٰۃ اکٹھی کرنے کا

کام شروع کر کے عامل زکوٰۃ بن کر خود ہی زکوٰۃ سے اپنی تنخواہ یعنی خرچ متعین کر سکتا بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ نظامِ زکوٰۃ کو چلائے اور اس کی نگرانی کرے۔

۲۔ عاملین زکوٰۃ کا تقرر

عاملین زکوٰۃ کے تقرر کی ذمہ داری خلیفۃ المسلمین پر ہے کہ اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں کے لیے زکوٰۃ کے وصول کنندگان مقرر کرے کیونکہ اس کا ثبوت عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین کے عہد میں ملتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مختلف مقامات پر وصول کنندگان کو بھیجا۔ اور عاملین کے تقرر کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث ہیں۔

عاملین زکوٰۃ کے بھیجنے کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ بعض لوگوں کے پاس مال ہوتا ہے لیکن ان کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے اور بعض جانتے تو ہیں مگر بخل کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں نکالتے اس لیے ضروری ہے کہ سرکاری وصول کنندگان ان سے جا کر وصول کر لیں۔

اسلامی حکومت پر یہ بھی لازم ہے کہ فصلوں اور پھلوں کی تیاری کے وقت بھی عاملین روانہ کرے کہ فصلوں اور پھلوں کی تیاری کا وقت ان پر زکوٰۃ واجب ہونے کا وقت ہے اور ان میں سال گزرنا شرط نہیں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کٹائی کے وقت اور پھلوں کے توڑے جانے کے وقت موجود ہوں۔

مویشی اور دیگر اموال جن میں سال گزرنے کا اعتبار ہے اس میں موزوں یہ ہے کہ وصول کنندگان کے وصول کے لیے آنے کا کوئی مہینہ مقرر ہو اور بہتر ہے کہ محرم ہو خواہ گرمی ہو یا سردی اس لیے کہ اسلامی سال کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ عامل زکوٰۃ کا بڑا درجہ ہے اس کے متعلق آپ کی حدیث یہ ہے:۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِي فِي

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ زکوٰۃ وصول کرنے والا گھر واپس آنے تک اللہ کی راہ میں

سبیل اللہ حتیٰ یرجع الی بیتہ۔ غازی کی مثل ہے۔ (ابو داؤد)

عامل زکوٰۃ کی تقرری کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آلِ رسول سے نہ ہو کیونکہ حضور کے قرابت داروں پر صدقہ حرام ہے۔ اس عہدے پر فائز نہیں کیے جا سکتے کیونکہ عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباسؓ کے پاس درخواست لے کر آئے کہ ہمیں زکوٰۃ اکٹھا کرنے والا عامل بنا دیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد پر صدقہ حرام ہے کیونکہ یہ لوگوں کی میل کچیل ہے اس سے معلوم ہوا کہ سید کو عامل زکوٰۃ نہیں بنایا جا سکتا۔

عاملین زکوٰۃ کو امانت اور دیانت سے کام لینا چاہیے۔ متقی اور پرہیزگار لوگوں کو ایسے کام پر متعین کرنا چاہیے جو خدا ترس ہوں۔ لوگوں کا درد رکھتے ہوں لہٰذا ایسے لوگ ہی عاملین زکوٰۃ کے فرائض سر انجام دے سکتے ہیں۔ چنانچہ عاملین زکوٰۃ میں مندرجہ ذیل شرائط اور اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

عامل زکوٰۃ مسلمان عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے۔ اسلامی حکومت میں کسی غیر مسلم یعنی نصرانی، یہودی، ہندو یا کافر کو مسلمانوں سے زکوٰۃ لینے پر نہیں مامور کیا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن کی رو سے وہ امین نہیں اور عامل زکوٰۃ کے لیے امین ہونا ضروری ہے۔ عامل زکوٰۃ کے کام میں امانت شرط ہے جیسا کہ شہادت میں امانت شرط ہے علاوہ ازیں یہ مسلمانوں کی ایک دینی ذمہ داری ہے اور جس طرح دیگر اسلامی ذمہ داریوں کے پورا کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے اسی طرح اس میں بھی ہے اور جو شخص اہل زکوٰۃ میں سے نہیں ہے اس کو اس کام کی اجرت بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ حربی کو جائز نہیں ہے اور مزید یہ کہ کافر امین و امانت دار نہیں ہے اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ان پر اعتماد نہ کرو کہ اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے کسی نصرانی کو تحریر پر مامور کیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض فرمایا۔ فرض زکوٰۃ جو کہ رکن اسلام ہے اس پر کسی غیر مسلم کو مامور کرنا درست نہیں ہے۔

عاملین کا امین ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کے مال کے بارے میں ان پر

بھروسا کرنا پڑے گا اس بنا پر فاسق اور خائن کو اس کام کے لیے مامور نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا شخص خیانت کرے گا۔ خزانہ کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرے گا اور اپنی خواہش اور ہوائے نفس کا اتباع کرے گا۔

عامل زکوٰۃ کو احکام زکوٰۃ سے واقف ہونا چاہیے تاکہ اسے معلوم ہو کہ اسے کیا زکوٰۃ لینی ہے اور کیا نہیں لینی ہے۔ کام کی قدرت و صلاحیت رکھتا ہو اور اس کی پوری ذمہ داریاں سنبھال سکتا ہو اور امانت داری کے ساتھ اس میں قوتِ عمل بھی موجود ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (القصص ۲۶)

بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔

میرے خیال کے مطابق عاملینِ زکوٰۃ کو اہلِ تقویٰ سے ہونا ضروری ہے جو لوگوں سے زکوٰۃ لینے کے معاملے میں نہ کسی کا لحاظ کریں اور نہ کسی دوست یا رشتہ دار سے رعایت برتیں اور تقسیم کرنے وقت اسلام کے ان اصولوں کو مدِ نظر رکھیں جو اللہ نے قرآن پاک میں بیان کیے ہیں اور نہ تقسیم کے بارے میں کسی کی سفارش کو مدِ نظر رکھیں۔ بالکل ان کے پیشِ نظر عدل اور دیانت ہونی چاہیے۔ مقامی سطح پر عامل زکوٰۃ کا کام اگر مساجد کے ائمہ سے لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ دورِ رسالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وقتی طور جہاں سے زکوٰۃ وصول کروانی ہوتی، ان کے پاس اپنے صحابہ کو بھیج دیتے اور وہ حضرات بحیثیت عامل زکوٰۃ وصول کرتے تھے بعد ازاں خلافتِ راشدہ کے دور میں باقاعدہ عاملین زکوٰۃ مقرر کیے گئے اور انہیں زکوٰۃ کے فنڈ سے اجرت دی جاتی تھی۔

۲۔ عامل زکوٰۃ کے فرائض

عامل زکوٰۃ کے ذمے سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ شرعی حدود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ جمع کرے اور حکم کے مطابق اسے رکھے اور مالِ زکوٰۃ میں سے اپنے لیے کچھ نہ لے اور نہ کوئی شے چھپائے کہ زکوٰۃ عام مسلمانوں کا مال ہے اس میں کوئی حرص و طمع بالکل جائز نہیں ہے اور اس خیانت کے شدید گناہ ہوں گے اور اس پر سخت عذاب

ہونے کی احادیث میں اس قدر وعید آئی ہیں کہ انسان کانپ اُٹھتا ہے۔

حضرت عدی بن عمیرہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ نے فرمایا کہ ہم جس کسی کو عامل بنائیں اور وہ اس میں سے ایک سوئی بھی چھپا لے تو یہ خیانت ہوگی جسے روزِ قیامت اسے لا کر پیش کرنا ہوگا۔ یہ سُن کر ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہو گیا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں، اس نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ سے اپنا کام واپس لے لیں، آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا اس نے عرض کی کہ میں نے آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اور میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ جس شخص کو ہم عامل بنائیں اسے کم و بیش جو کچھ ملے وہ لے آئے پھر جو اس میں سے دیا جائے لے لے اور جس شے سے روک دیا جائے اس سے باز آ جائے۔ (مسلم، ابوداؤد)

حضرت ابو رافعؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بقیع (قبرستان) سے گزر رہے تھے کہ آپ فرمانے لگے تجھ پر افسوس، تجھ پر افسوس، ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور میں یہ سمجھ کر ذرا پیچھے ہو گیا کہ آپ مجھے فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ چلو۔ میں نے عرض کیا کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہے؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ میں نے عرض کی آپ مجھے فرما رہے ہیں کہ تجھ پر افسوس، آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ دراصل یہ (قبر والا) فلاں شخص ہے جسے میں نے فلاں پر عامل بنا کر بھیجا تھا، اس نے ایک اونی دھاری دار چادر کی خیانت کی اب اس کو ویسی چادر آگ کی پہنا دی گئی ہے۔ (نسائی)

حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو زکوٰۃ پر عامل بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اے ابو الولید اللہ سے ڈرتے رہنا کہیں تم روزِ قیامت آؤ اور ایک چلاتا ہوا اونٹ ایک بکاتی ہوئی گائے ایک ممیاتی ہوئی بکری تمہارے اوپر سوار ہو۔ انھوں نے استفسار کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہوگا۔ آپ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تو آپ نے فرمایا قسم ہے

اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث فرمایا، میں کسی شے پر آپ کا عامل نہیں بنوں گا۔ (طبرانی)
حضرت عبادہؓ نے اپنے دین کی سلامتی کی خاطر عامل بننے کا ارادہ ترک فرما دیا تاکہ
ان کا دین خطرے میں نہ پڑے اور انہیں اس مذکورہ وعید کا ہدف نہ بننا پڑے۔

۴۔ مقدار اُجرت | عاملین زکوٰۃ کی حیثیت ملازم کی سی ہے اس لیے انہیں اتنا معاوضہ ملنا چاہیے جتنا کہ ان کے لیے کافی ہو۔

عامل اگر خود مالدار (غنی) ہو تو اسے اس کے کام کی اُجرت دی جائے گی، اس لیے
کہ یہ امداد نہیں ہے بلکہ اس کی خدمت کا معاوضہ ہے۔
ابوداؤد نے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
غنی کو صدقہ حلال نہیں ہے سوائے ان پانچ افراد کے، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے
والا، عامل زکوٰۃ، مقروض یا تاوان رسیدہ، یا جس نے زکوٰۃ کی کوئی شے خرید لی ہو،
یا کسی شخص کا کوئی پڑوسی مسکین ہو اور وہ زکوٰۃ لے کر اسے دے دے اور وہ بھی
شے مسکین اسے ہدیہ کر دے ۔

۵۔ زکوٰۃ لیتے وقت عاملین کا اخلاقی کردار | زکوٰۃ لیتے وقت عاملین کو بلند اخلاق کا مظاہرہ

کرنا چاہیے اور جن لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے ان کے حق میں دعا دینی چاہیے کیونکہ
زکوٰۃ دینے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے زکوٰۃ دیتا ہے اور وہ اپنے عمل پر خوشی
محسوس کرتے ہوئے فضل باری کا طالب ہوتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ وصول کرنے والے کو بھی
چاہیے کہ اس کے حق میں دعائے خیر و برکت کرے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (توبہ - ۱۰۳)	اے نبی تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور نیکی کی راہ میں انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمہاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہوگی۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عاملین کو چاہیے کہ زکوٰۃ لیتے وقت دعا کریں اس کے

متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی تاکید ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو بھی زکوٰۃ دینے کے لیے آتا آپ اس کے لیے اللہ کے حضور رحمت کی دعا فرماتے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ فُلَانٍ فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِي أَوْفٰى. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ.

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ جس وقت کوئی قوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی زکوٰۃ لاتی تو آپ فرماتے یا الٰہی فلاں پر رحمت بھیج پیراہے حضرت کے پاس اپنی زکوٰۃ لایا، آپ نے فرمایا ابی اوفی پر رحمت بھیج۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا اور ایک روایت میں ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی شخص اپنی زکوٰۃ لاتا تو آپ کہتے یا الٰہی فلاں پر رحمت بھیج۔

عامل زکوٰۃ سے خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے۔ اسے سارا مال بتا دینا چاہیے تاکہ وہ زکوٰۃ کا آسانی سے حساب لگا لے اور حساب لگا لے تو اس سے تعاون کرنا چاہیے تاکہ عامل زکوٰۃ خوشدلی سے راضی ہو کر لوٹے۔

وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ۔

حضرت جریر بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس زکوٰۃ لینے والا شخص آئے تو اسے تم سے راضی ہو کر لوٹنا چاہیے۔ (صحیح مسلم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عاملین زکوٰۃ کے ساتھ ہر طرح تعاون کی تاکید کی گئی ہے۔ اگر کوئی ان کے رویہ کے خلاف شکایت پیدا ہو تو حاکم وقت کو ان کے رویے سے آگاہ کرنا چاہیے نہ کہ زکوٰۃ کے حساب کے وقت عاملین سے جھگڑا کیا جائے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ ہے۔

وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ

حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ

جَاءَ نَاسٌ يَعْنِي مِنَ الْأَعْرَابِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِينَ يَأْتُونَا فَيَظْلِمُونَا فَقَالَ أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنْ ظَلَمُونَا؟ قَالَ أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ وَإِنْ ظُلِمْتُمْ۔

لوگ یعنی اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ بعض زکوٰۃ وصول کرنے والے لوگ ہمارے پاس آکر ظلم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے تحصیلداروں کو راضی کرو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں۔ آپ نے فرمایا اپنے زکوٰۃ لینے والوں کو راضی کرو اگرچہ ان سے تھوڑی بہت زیادتی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

(ابوداؤد)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بدوی لوگ مسائل زکوٰۃ کو اچھی طرح نہ جانتے تھے البتہ عاملین زکوٰۃ جو بارگاہ رسالت کی طرف سے مقرر ہوتے تھے۔ وہ قریباً تمام مسائل سے خصوصاً زکوٰۃ کے مسائل سے پورے خبردار ہوتے تھے۔ یہ دیہاتی حضرات اپنی کم علمی کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ عاملین ہم پر زیادتی کر رہے ہیں۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ تم ان کے جائز عمل کو ظلم ہی سمجھتے رہو مگر ان کی بات مانو اور ان کے کہے پر عمل کرو انہیں راضی کر کے واپس کرو کیونکہ میرے صحابہ ظالم نہیں ہو سکتے، وہ میرے صحبت یافتہ و تعلیم یافتہ ہیں۔

زکوٰۃ دینے والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح یہی تاکید کی ہے کہ عاملین سے اچھا سلوک کرو اور جب وہ تمہارے پاس اللہ کے دیے ہوئے سے مانگنے آئیں تو انہیں آمدید کہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت خوشدلی کا اظہار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قابل کیا تو عاملین زکوٰۃ ان کے پاس آئے۔ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ ہے:

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُونَ فَإِذَا

حضرت جابر بن عتیک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس چھوٹا سا قافلہ آئے گا جو تم کو بُرا معلوم ہوگا پس جب یہ تمہارے پاس

جَاءُوكُمْ فَرَحِّبُوا بِهِمْ وَخَلُّوا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُونَ فَإِنْ عَدَلُوا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوا فَعَلَيْهَا وَأَرْضُوهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكَاتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوا لَكُمْ.

آئیں تو انھیں مرحبا کہو اور ان کے درمیان اور ان مال زکوٰۃ کے درمیان جو وہ طلب کریں خالی کر دو۔ سو اگر وہ انصاف کریں تو یہ ان کی اپنی جانوں کیلئے ہے اور اگر انھوں نے ظلم کیا تو یہ بھی ان کی جانوں پر ہے اور تم ان (عاملوں) کو راضی کرو کیونکہ تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل ان کی رضامندی سے ہے اور وہ تمہارے لیے دعا کریں۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے یہ مطلب بھی اخذ ہوتا ہے کہ عامل زکوٰۃ سے اگر تھوڑی زیادتی بھی ہو جائے تو اسے برداشت کیا جائے کیونکہ آپ کے پیش نظر تھا کہ بعض آئندہ زمانہ میں کچھ سخت دل اور بداخلاق حکام بھی ہوں گے تم ان کی بداخلاقی کی بنا پر زکوٰۃ کے انکاری نہ ہو جانا کہ تمہاری زکوٰۃ اللہ کے لیے ہے نہ کہ ان کے لیے بلکہ انھیں دیکھ کر خوش ہونا کہ ان کے ذریعہ تمہارا فریضہ ادا ہوگا۔ بعض دیندار غنی زکوٰۃ دیتے وقت فقیر کا احسان مانتے ہیں کہ اس کے ذریعہ جلد! فرض ادا ہوا۔ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بظاہر ظلم در ظلم کریں کہ زکوٰۃ سے زیادہ لیں یا زکوٰۃ کے ساتھ رشوت مانگیں اور تم دے دو کیونکہ ظلم پر امداد بھی ظلم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی فعل تمہیں ظلم معلوم ہو مگر حقیقت میں ظلم نہ ہو تو اپنی رائے پر عمل نہ کرو بلکہ ان کے حکم کی تعمیل کرو۔

زکوٰۃ دینے والوں کے لیے اور اکٹھی کرنے والوں کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تاکید یہ بھی ہے کہ عاملین زکوٰۃ کو حساب دیتے وقت جس طرح انھیں سہولت ہو ان سے تعاون کیا جائے اور انھیں بستیوں سے دور باہر نہ بلاؤ تاکہ انھیں تکلیف ہو۔ اس کے متعلق حضرت عمرو بن شعیب کی بیان کردہ روایت یہ ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ

حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا زکوٰۃ دینے والوں کو بستیوں سے باہر

وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي دُورِهِمْ۔

جلب: نہ مواشی والا بھی دور جائے ان سے زکوٰۃ ان کے گھروں ہی سے لی جائے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ نہ تو عامل کو یہ جائز ہے کہ ایک جگہ بیٹھ جائے اور لوگوں سے کہے اپنے اپنے مال جانور وغیرہ یہاں لا کر مجھے دکھاؤ اور حساب سے زکوٰۃ دو کیونکہ اس میں مال والوں کو سخت دشواری ہوگی اور نہ مال والوں کو یہ جائز کہ اپنا جانور وغیرہ بکھیر دیں، دور دور بھیج دیں کہ عامل انہیں گننے کے لیے دوڑتا پھرے کہ اس میں عامل کو بہت تکلیف ہے بلکہ عامل لوگوں کے ریوڑوں اور باڑوں دکھیتوں میں جا کر ہر ایک کی زکوٰۃ کا وصول کرے۔

عاملین سے زکوٰۃ کا مال چھپا کر دینے وقت کسی پوشیدہ رکھی ہوئی چیز کو چھپانے کی مخالفت کی گئی ہے۔ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَعَنْ بَشِيرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ قُلْنَا إِنَّ أَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُونَ عَلَيْنَا أَفَنَكْتُمُ مِنْ أَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُونَ قَالَ لَا۔

حضرت بشیر بن خصاصیہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا، یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے لوگ ہم پر زیادتی کرتے ہیں کیا ہم اپنے مال سے جو زیادتی کے قدر چھپا لیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (ابوداؤد)

۴۔ مؤلفۃ القلوب یعنی دلجوئی

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کو اخوت اور محبت کا درس دیتا ہے اور ہر ایسے غیر مسلم کی دلجوئی کرتا ہے جو قبول اسلام کی طرف مائل ہو۔ مؤلفۃ القلوب کا مطلب دلجوئی کرنا ہے۔ ایک عام اصول ہے کہ جس کسی حاجت مند کی مالی امداد کی جائے تو وہ دینے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دین اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے مؤلفۃ القلوب کی مد رکھی ہے تاکہ اسلام میں ہر نئے داخل ہونے والے کی دلجوئی ہو اور وہ آسانی سے مسلمانوں کے ضابطہ حیات کے مطابق عمل پیرا ہو سکے۔ جن صورتوں میں اس مد سے تالیف قلوب کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ بارسوخ شخص کی تالیف قلب

اس مد سے ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جو اپنے متعلقہ افراد میں صاحب اثر ہو اور اس کی دلجوئی سے اس کے متعلقہ افراد کی مد سے اسلام میں شامل ہونے کی اُمید ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ آپ نے دلجوئی کے لیے ایک با اثر انسان کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور وہ واقعہ یہ ہے کہ صفوان بن امیہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر امان دے دی تھی اور انہیں چار ماہ کی مہلت دی تھی کہ وہ اس مدت میں اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ آئے اور انہوں نے غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی جانب سے شرکت کی اور ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور اس غزوہ میں جانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہتھیار بھی عاریتاً لیے تھے مزید، پھر آپ نے بہت سے لدے ہوئے اونٹ عطا کیے اور وہ بولے کہ یہ تو ایسی عطا ہے کہ اس کے بعد فقیری کا اندیشہ ہی نہ رہے۔ اس روایت میں ترمذی اور مسلم نے سعید بن المسیب سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ انہوں نے کہا، آپ نے مجھے اتنا دیا کہ آپ میرے لیے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ بہرحال صفوان اسلام لے آئے اور اسلام میں عمدہ ثابت ہوئے۔

اسی طرز کا تعلق یہ واقعہ ہے کہ جو احمد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے نام پہ جو سوال کیا جاتا آپ ضرور دیتے ایک شخص نے آ کر سوال کیا، آپ نے دو پہاڑوں کے مابین زکوٰۃ کی بہت سی بکریوں کا حکم دیا وہ شخص اپنی قوم کی جانب واپس گیا تو اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اسلام قبول کر لو کہ محمدؐ ایسی بڑی عطا دیتے ہیں کہ فقیری کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

۲۔ نومسلم کی دلجوئی

ایسا مسلمان جس نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا ہو تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی مدد کی جائے تاکہ وہ اسلامی معاشرے کے مطابق اپنی زندگی کی بسر اوقات کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیا نیا اسلام میں داخل ہونے والا شخص اپنے سابق دین کو چھوڑ کر بڑی قربانی بھی دیتا ہے کہ اس کے اہل اس کے

والدین اور اس کے خاندان کے پاس رہ جاتا ہے اور بسا اوقات اسے کھانے پینے تک کی تنگی ہو جاتی ہے اور اسے اپنے خاندان والوں کی ہر طرح کی مزاحمت برداشت کرنا پڑتی ہے اس لحاظ سے یہ شخص محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنے رشتہ داروں کو اور اپنی دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور اس امر کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کی امداد کی جائے اور اس کی اعانت کی جائے۔

۳۔ کمزور ایمان کے مسلمان کی تالیف

کمزور ایمان کے لیے مسلمان جو اپنی قوم کے سردار ہوں اور ان کے بارے میں توقع ہو کہ وہ مزید ایمان میں ثابت قدم ہو جائیں گے۔ ان کا ایمان قوی ہو جائے گا اور وہ جہاد میں مضبوط ثابت ہوں گے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے طلقاء کو جو اسلام لے آئے تھے، ہوازن کی غنیمت کا بڑا حصہ دیا اور ان لوگوں میں منافق بھی تھے اور ضعیف الایمان بھی تھے۔ بعد اس کے بعد ان میں سے بیشتر لوگ اسلام میں ثابت قدم ہو گئے۔

۴۔ کفر سے ہٹا کر اسلام کی ترغیب کیلئے تالیف

ایسے کافروں کو زکوٰۃ کی اس مد سے دیا جا سکتا ہے جن کی تالیف کرنا مطلوب ہو تاکہ وہ کفر چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں گے تاکہ ان کے دلوں میں اسلام کی قدر پیدا ہو۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ ایک وہ کافر ہیں جو دلیل سے کفر سے رجوع کر لیتے ہیں، دوسری قسم وہ کافر ہیں جو قوت سے اور تلوار سے کفر سے باز آ جاتے ہیں، تیسری قسم وہ کافر ہیں جو عطا و احسان سے وہ کفر ترک کر دیں۔ اور امام کے لیے مناسب ہے کہ ہر قسم کے کفر سے نجات دلانے کے لیے اس کے مطابق طریقہ اختیار کرے۔

مؤلفۃ قلوب کے متعلق ائمہ کا نظریہ

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کو پیار و محبت سے رہنا سکھاتا ہے۔

اس کے پیش نظر اسلام کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اسلام میں ہر نئے داخل ہونے والے کی دلجوئی کی جائے۔ اسے ہر ممکن مدد فراہم کی جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے ضابطہ حیات کا قائل ہو اور اپنے آپ کو آسانی سے اسلام پر عمل پیرا کر سکے۔

ایک عیسائی، یہودی، کافر یا غیر مسلم جب مسلمان ہوتا ہے تو اس کی زکوٰۃ سے مدد کی جا سکتی ہے تاکہ وہ اس نئے مذہب میں اپنی دلجوئی سمجھے ابتدائے اسلام میں کچھ لوگ جو مخالفت میں سرگرم تھے ان کی ۔ تدبیروں کو توڑنے کے لیے ان کی اس مد سے مدد کی گئی اور اس طرح سے ان کے جوشِ عداوت کو ٹھنڈا کیا گیا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تو ان کی مدد کی گئی تاکہ وہ اسلام میں رہیں۔ اور خطرہ تھا کہیں وہ مالی بحران کا شکار ہو کر دوبارہ کفر و شرک میں چلے جائیں چنانچہ ایسے حضرات میں سے چند کے وظائف لگائے گئے اور بعض عطیات دیے گئے تاکہ وہ مسلمانوں کے مددگار رہیں۔

مالکیہ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ کافر ہیں جنہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے مال عطا کیا جائے اگرچہ وہ بھی باشرت ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں انھیں زکوٰۃ میں سے دیا جا سکتا ہے تاکہ ان کے دلوں میں ایمان جڑ پکڑ جائے لہٰذا انھیں زکوٰۃ دینے کا حکم باقی ہے۔ اور اب بھی ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مؤلف سے مراد وہ سردار قبیلہ ہے جس کا حکم مانا جاتا ہو اور جس کے ایمان لانے کی توقع ہو اور اس کے شر کا اندیشہ ہو یا اس کے ایمان کو پختہ کرنا اور اس جیسے دوسرے کافروں کا مسلمان ہونا متوقع ہو یا جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے اس شخص کی حمایت ضروری ہو۔ غرض ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جانی چاہیے جنہیں اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مؤلفۃ القلوب کی چار قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن کا ایمان کمزور ہو اور نو مسلم ہوں لہٰذا اس کو مال زکوٰۃ میں سے دیا جائے جس سے ایمان کی پختگی مقصود ہو

دوسرا ایسا شخص جو مسلمان ہو اور اس کی قوم میں اس کا وقار ہو اور اس کو مال کے دیے
جانے سے یہ توقع ہو کہ دوسرے کفار بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ تیسرا وہ نومسلم جس کا
ایمان پختہ ہو اور اس کو مال دیے جانے سے یہ امید ہو کہ اس کے علاوہ دوسرے
کافروں کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ چوتھے وہ شخص جو زکوٰۃ میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو روک
سکے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی بنا
پر یہ مد ہمیشہ کے لیے ساقط ہو گئی ہے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
وصال کے بعد عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ اور
تالیف قلوب کی رقم مانگی مگر انہوں نے فرمایا کہ اب تم ثابت قدم ہو گئے ہو اس لیے تمہیں ضرورت نہیں۔

۵۔ غلاموں کی آزادی

غلام سے مراد ایسا شخص ہے جس کی ذات کا دائرہ اختیار اس کے مالک کا مرہون منت
ہو۔ اسلام سے پہلے دنیا میں اہل فارس، اہل روما، اہل مصر، اہل چین اور اہل ہند
گویا کہ جتنی بھی تہذیبیں تھیں، ان سب میں غلامی کا رواج تھا بلکہ اسی طرح کی غلامی
عربوں میں بھی تھی۔ جس زمانہ میں شمع اسلام روشن ہوئی اس دور میں عرب میں نصرانی،
یہودی اور مشرکین آباد تھے اور ان میں بھی غلامی عام تھی بلکہ غلاموں کا زیادہ تعداد میں
رکھنا امارت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ہر کھاتے پیتے شخص کے پاس ایک دو غلام ضرور
ہوتے تھے لیکن اکثر آقاؤں کا اپنے غلاموں کے ساتھ سلوک اچھا نہ تھا بلکہ اکثر معاملات
میں غلاموں پر طرح طرح کے بے شمار ظلم کیے جاتے۔ ذرا سی غلطی پر غلاموں کو سخت
سزائیں دی جاتیں۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے، چکی پسواتے، گرم ریت پر لٹا کر ان
میں رسی ڈال کر کھینچتے، گرم چیزوں سے جسم کو داغ دیتے، بڑی بڑی وزنی چیزیں جسم
سے باندھ دیتے جس سے جسم کو سخت تکلیف ہوتی۔ بعض اوقات اتنی بے دردی سے
غلاموں کو پیٹا جاتا کہ وہ بے چارے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ الغرض اس غلامی کا طریقہ عمل
بہت ہی بہیمانہ، وحشیانہ اور ظالمانہ تھا اور سراسر انسانیت کے خلاف تھا۔ ان حالات میں

اسلام نے انسان کو اس غلامی سے نجات دلانے کا عزم بلند کیا اور ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے غلامی کا خاتمہ ہو سکتا تھا چنانچہ اسلام نے سب سے پہلے غلامی کے ان بڑے بڑے ذرائع کا خاتمہ کیا جہاں سے غلامی جنم لیتی تھی یعنی اسلام نے اغوا کو جرم قرار دیا تاکہ کوئی بچہ یا بڑا اغوا ہو کر کسی کا غلام نہ بن سکے۔ ایسے ہی اسلام نے بردہ فروشی کی ممانعت کی جس کی رو سے کوئی شخص بیٹیوں اور بچوں کو فروخت نہیں کر سکتا۔

اسلام نے اس امر کی بھی اجازت نہ دی کہ اگر مقروض سے قرض ادا نہ ہو سکے تو قرض خواہ اسے غلام بنا لے یا کسی مجرم کو اس کے جرم کی سزا میں غلام بنا لیا جائے حتیٰ کہ اسلام نے اسے بھی جائز قرار نہیں دیا کہ ظالمانہ لوٹ مار کی غرض سے لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا لیا جائے گویا کہ اسلام نے ہر اس راستے کو مکمل طور پر بند کر دیا جس سے غلامی جنم لیتی تھی اور اس کے ساتھ ہی ظالمانہ غلامی کے خاتمہ کے لیے سابقہ غلاموں کو آزاد کرانے کی تدابیر اختیار کیں۔ آغاز اسلام میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے انھیں دعوت دی کہ جن کے پاس غلام ہیں انھیں آزاد کر دیں کیونکہ اسلام ہر شخص کی آزادی کا علمبردار ہے پھر غلام آزاد کرنے کو عبادات اور معاملات میں کسی کمی یا نقص کو دور کرنے کا کفارہ مقرر کر دیا جیسے قسم توڑنے، بیوی سے ظہار کرنے، رمضان کے روزے میں صحبت کر لینے کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے تاکہ اس طرح غلامی کا خاتمہ ہو جائے پھر غلامی کے خاتمے کا ایک مؤثر قدم یہ کیا کہ مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مد غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے مقرر کر دی۔ جسے فی الرقاب کہا گیا ہے قرآن پاک میں یہ الفاظ غلام اور باندی کو آزاد کرانے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں گویا کہ زکوٰۃ کا ایک حصہ گردنوں کے آزاد کرانے کے لیے مقرر ہے۔

شروع میں اسلام نے لوگوں کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ مالکوں کو حکم دیا کہ اگر تم اپنے غلاموں میں سے اچھی چیز دیکھو تو ان سے معاملہ آزادی طے کر لو جیسا مکاتبت کیا جاتا ہے اور انھیں موقع دو کہ وہ آزادی کے لیے کسب کریں اور وہ کسب شدہ رقم مالک کو دے کر آزاد ہو جائیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے

زکوٰۃ میں سے ایک حصہ غلاموں کی آزادی کے لیے مقرر کر دیا تاکہ وہ رقم مالکوں کو دے کر لوگوں کو غلامی سے آزاد کرایا جا سکے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کئی غلاموں کو زکوٰۃ کے عوض آزادی حاصل ہوئی۔ غلامی کا دور اگرچہ ختم ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود اگر کوئی شخص کسی پس ماندہ علاقے میں غلام ہو تو اسے اس مد سے خرچ کر کے آزاد کرایا جا سکتا ہے۔

۶۔ قرضہ کی ادائیگی

اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کی رُو سے زکوٰۃ کا چھٹا مصارف قرض دار کا قرضہ ادا کرنا ہے جسے قرآنِ پاک میں غارم کہا گیا ہے۔ غارم کی جمع الغارمون ہے۔ غارم وہ شخص ہے جس پر قرضہ ہو یعنی مقروض پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق غارِم وہ شخص ہے جس پر قرض ہو اور وہ اپنے قرض کے علاوہ نصاب کا مالک نہ ہو۔

انسانی اغراض دو طرح کی ہیں ایک ذاتی اور دوسری کاروباری۔ دونوں طرح کی اغراض کو پورا کرنے کے لیے انسان ضرورت کے تحت قرض لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ذاتی نوعیت کا قرض وہ ہے جو اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لیے مثلاً اپنے بعض اخراجات کے لیے لباس کے لیے، شادی کے لیے، بیماری کے علاج کے لیے، یا گھر بنانے کے لیے یا سامان خریدنے کے لیے یا خطاء یا سہواً کسی کی کوئی شے ضائع کر دی ہو اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے لیا جائے۔ اور کاروباری وہ قرض ہے جو نقصان کاروبار میں وہ صورت حاصل ہے۔ ان دونوں قسم کے قرضوں کی ادائیگی زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہیں لیکن ادائیگی کے لیے مقروض کے قرض کی نوعیت کو مدِنظر رکھا جائے۔

فقہا کا کہنا ہے کہ الغارمون کا وصف زیادہ درستگی کے ساتھ ان لوگوں پر منطبق ہوتا ہے جن کو زندگی میں کسی اچانک مصیبت نے آ گھیرا ہو ان کا سارا مال و اسباب کسی آفت کی نذر ہو گیا ہو لہٰذا وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے قرض

لینے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ انصار میں تین طرح کے ہیں، ایک وہ شخص جس کا مال و اسباب سیلاب میں بہہ گیا ہو، دوسرا وہ شخص جس کا سامان آتش زدگی میں جل گیا ہو اور تیسرا وہ شخص جو عیال دار ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو اور وہ قرض حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کرے۔

قبیصہ بن مخارق ہلالی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مالی بوجھ اٹھا لیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے سوال کیا، آپؐ نے فرمایا تم انتظار کرو یہاں تک کہ ہمارے پاس زکوٰۃ آ جائے اور ہم اس میں سے تمہارے لیے حکم دے دیں گے پھر آپؐ نے فرمایا کہ اے قبیصہ صرف تین افراد کے لیے سوال کرنا درست ہے۔ وہ شخص جس نے صلح جوئی کے لیے کوئی مالی بوجھ اٹھا لیا ہو تو وہ اس کی مقدار کے بقدر سوال کرے پھر سوال سے رک جائے۔ وہ شخص جس پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے اور اس کا مال اس میں ضائع ہو جائے تو اس کے لیے سوال کرنا درست ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ضرورت کے بقدر حاصل کرے، اور وہ شخص جو فاقے سے ہو اور اس کی قوم کے تین افراد بتائیں کہ فلاں شخص فاقے سے ہے تو اس کے لیے سوال کرنا درست ہے اور اس طرح وہ اپنی زندگی بچانے کی بقدر حاصل کرے اور اس کے سوا اے قبیصہ مانگ کر کھانا حرام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کو قرض اس وقت لینا چاہیے جبکہ وہ ہر طرح سے مجبور ہو جائے۔

قرض کے متعلق اسلامی نظریہ

قرض لینے کو اسلام نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا البتہ جو شخص قرض حسنہ دیتا ہے اس کا اسلام میں بہت درجہ ہے۔ مجبوری کی حالت میں اگر قرض کی ضرورت پیش آئے تو قرض لے لینا چاہیے لیکن اسے جلد ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے اور اکثر اوقات

اللہ کے حضور یہ دعا مانگتے کہ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ قرض مجھ پر غالب یا دشمن غالب آجائے اور دشمنوں کی ملامت کا نشانہ بنوں۔

بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے اور آپ جب عذاب قبر سے پناہ مانگتے۔ زندگی اور موت سے پناہ مانگتے مسیح الدجال کے فتنے سے پناہ مانگتے، اس کے ساتھ ہی آپ قرض سے بھی پناہ مانگتے۔ صحابہ اکرام نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مقروض ہو جاتا ہے تو جھوٹ بولنے لگتا ہے اور وعدہ خلافی کرنے لگتا ہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو ہمیشہ قرض لینے سے بچنے کی ہدایت کرتے اور آپ کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ مقروض کی نماز جنازہ ادا کرتے وقت پہلے استفسار کرتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اگر کسی مقروض شخص کی نماز جنازہ کے لیے بلایا جاتا تو آپ استفسار فرماتے کہ اس نے قرض ادا کر دیا ہے۔ اگر آپ کو بتایا جاتا کہ اس نے ادا کیا ہے تو آپ نماز پڑھاتے ورنہ فرماتے کہ اپنے ساتھی کی خود ہی نماز پڑھ لو۔ پھر جب فتوحات ہو گئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مومنین کا ان کی اپنی ذات سے زیادہ ولی ہوں اس لیے اب جو مقروض انتقال کرے گا اس کے قرض کی ادائیگی میں کروں گا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عہد نبوت میں کسی نے پھل خریدا اور اس پر آفت آگئی اور اس بناء پر وہ مقروض ہو کر بالکل مفلس ہو گیا، آپ نے فرمایا کہ اس پر صدقہ کرو، لوگوں نے اس پر صدقہ کیا جس سے اس کا قرضہ نہیں اترا تو آپ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا، یہی جو کچھ مل رہا ہے لے لو اب اس کے سوا تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔

اسلام میں مقروض کا قرضہ اتارنے کے لیے زکوٰۃ میں مقروض کا حصہ رکھا گیا ہے، تاکہ مقروض قرض کے بوجھ سے نجات پائے تاکہ اسے ذہنی سکون میسر آسکے

لہٰذا اسلام نے اس سے بڑھ کر مروت اور اخوت پیدا کرنے کے لیے یہاں تک ترغیب دی ہے کہ اگر قرض خواہ قرضہ معاف کر دے تو زیادہ بہتر ہے کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ :۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرۃ : ۲۸۰)	تمہارا قرضدار تنگدست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

زکوٰۃ سے قرض کی ادائیگی

زکوٰۃ سے مقروض کا قرضہ ادا کرتے وقت مندرجہ ذیل شرعی مسائل کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ اشد ضرورت

زکوٰۃ سے قرضہ ادا کرتے وقت مقروض کی فی الواقع ضرورت کو مدِ نظر رکھا جائے۔ قرض دار خواہ غنی ہو یا غریب، خواہ کمانے والا ہو یا بے روزگار ہو، اگر وہ اپنے مال سے قرض ادا کرے تو اس کے پاس بقایا قدرِ نصاب سے کم مال بچنا چاہیے۔ اس کے برعکس ایک آدمی مقروض تو ہے لیکن اس کے پاس قیمتی جائداد یا کوئی سامان ہے جسے فروخت کر کے قرض ادا کیا جا سکتا ہے تو ایسے مقروض کے لیے زکوٰۃ کے پیسے سے لینا اچھا نہیں اور اگر مقروض کے پاس اتنی رقم تو ہو کہ جس سے قرض ادا کرنے کے بعد اس کی اپنی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں ضرورت کے مطابق مال چھوڑ کر باقی اسے چاہیے کہ قرض میں ادا کر دے اور اس کی کمی زکوٰۃ سے لے کر پوری کر سکتا ہے۔

۲۔ فوری ادائیگی

زکوٰۃ سے قرض ادا کرتے وقت اس امر کو بھی مدِ نظر رکھا جائے کہ قرض ادائیگی فوری نوعیت کی حامل ہو۔ اگر قرض کی ادائیگی میں مدت مقرر ہو اور وہ ابھی نہ آئی ہو تو اس صورت میں اسے اسی وقت زکوٰۃ سے نہ دیا جائے بلکہ جب مدت ختم ہو جائے تو اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔

۳۔ حرام کیلیے قرض نہ لیا ہو

حرام کام کے لیے قرض لینا درست نہیں چنانچہ اگر کوئی شخص حرام کام یعنی شراب نوشی، جوا یا کسی اور طریقہ سے رقم ضائع کرنے سے مقروض ہوا ہو تو اس کی ادائیگی زکوٰۃ سے نہ کی جائے۔ ایسے ہی اسراف کرنے والے کا بھی قرضہ زکوٰۃ کے فنڈ سے ادا نہ کیا جائے کیونکہ اسراف سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

گناہ کے کاموں کی بنا پر مقروض ہو جانے والے کو زکوٰۃ کی مد میں سے دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح اسے مزید عصیان پر آمادگی ہوگی اور معصیت الٰہی میں اس سے تعاون کرنا ہوگا حالانکہ اُسے توبہ کی تلقین کرنی چاہیے اور اگر وہ توبہ کرلے تو پھر زکوٰۃ سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔

۴۔ زکوٰۃ سے کتنا دیا جائے

مقروض کو جتنے پیسے کی ضرورت ہو اسے اس کے مطابق دیا جائے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔ اگر اسے مد زکوٰۃ میں سے کچھ دیا گیا لیکن اس نے اس سے قرض ادا نہیں کیا، یا قرض خواہ نے اسے قرض سے بری قرار دے دیا، یا اُس کی جانب سے کسی اور نے قرض ادا کر دیا یا اس نے خود ہی زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور مال سے قرض ادا کر دیا تو صحیح رائے کے مطابق ادائے قرض کے لیے زکوٰۃ میں سے جو رقم دی گئی تھی وہ اس سے واپس لی جائے گی کیونکہ اسے اس کی ضرورت نہیں رہی ہے۔

۵۔ وفات پانے والے مقروض کی زکوٰۃ سے ادائیگی

وفات پانے والے کسی شخص کے ذمے واجب الادا قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کی مد سے جائز ہے بلکہ مرنے والے کا قرض ادا کر دینا زندہ شخص کے قرض کے ادا کیے جانے سے زیادہ بہتر ہے۔

۷۔ فی سبیل اللہ

اسلام کے مصارف زکوٰۃ میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ فی سبیل اللہ یعنی

راہِ خدا ایک عام لفظ ہے جس کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ سبیل کے معنی راستے کے ہیں چنانچہ فی سبیل اللہ کا مطلب ہر وہ نیک کام ہے جس میں اللہ کی رضا مدِ نظر ہو لہٰذا فی سبیل اللہ میں ہر وہ عمل شامل ہے جس میں خالصتاً اللہ کی خوشنودی ہو۔ اسی وجہ سے اہلِ علم حضرات نے اس مقصد کے پیشِ نظر فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اکثر فقہاء نے اس لفظ پر مطلقاً جہاد کا اطلاق کیا ہے۔ میرے نزدیک ہر نیک عمل فی سبیل اللہ ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے۔

۱۔ جہاد فی سبیل اللہ

جہاد فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کی راہ میں دشمنوں سے جنگ کرنا ہے کیونکہ اس کا مقصد فروغِ اسلام ہے اور دنیا میں غیر مسلم نظریات کی جگہ دینِ اسلام قائم کرنا ہے کیونکہ جب طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہو جائیں تو مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ تن من دھن کی بازی لگا دیں اور اسلام کی بقا کے لیے ہر چیز کو قربان کر دیا جائے اگر اپنی جان کو بھی قربان کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اپنی راہ میں لڑنے کا حکم دیا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (پ ۲، بقرہ: ۱۹۰)	اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

اس آیت کی رو سے اپنے دفاع اور بچاؤ کے لیے لڑنا فرض ہے اس لیے اس آیت سے صحیح جہاد کا درس ملتا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (پ ۵، نساء: ۷۶)	جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔

سبیل اللہ کی طرف بلانے والے کم ہوتے ہیں اور اس راہِ حق کے دشمن زیادہ ہیں

رکھنے والے بکثرت ہوتے ہیں۔

۳۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔

ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں۔

اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرنا ایمان کی علامت ہے۔

۴۔ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (پ، الحدید [illegible])

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔

سورۂ انفال میں فرمایا گیا ہے۔

۵۔ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ

(پ، انفال ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوفزدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے مراد اسلامی جنگ ہے یعنی جس طرح کی جنگیں صحابہ کرام اور تابعین عظام نے لڑیں کہ قرآن کے زیر سایہ اللہ کا نام لے کر میدان میں کود گئے اور ان کا واحد اور اولین مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نجات دلا کر ایک اللہ کی عبادت کی جانب بلایا جائے تنگی معیشت سے رہائی دلا کر آزاد زندگی کی وسعت دی جائے اور جاہلیتوں کے ظلم وستم سے چھڑا کر عدل اسلامی سے ہمکنار کیا جائے۔

بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ اسلامی جنگوں کا وجود ایک عرصے سے ختم ہو چکا ہے اور اب جو جنگیں ہوتی ہیں وہ اسلامی نہیں ہوتیں بلکہ وطنی اور قومی جنگیں ہوتی ہیں کہ اسلام کے دشمن مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے ڈٹتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں اس لیے ان جنگوں کو دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ عام دنیاوی جنگیں ہیں، اس لیے نہ تو انھیں فی سبیل اللہ قرار دیا جانا چاہیے اور نہ ان پر زکوٰۃ صرف کرنا درست ہونا چاہیے۔ لیکن یہ خیال حقیقت سے بعید ہے کیوں کہ اسلامی جنگ اور اسلامی جہاد کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے جس صورت میں صحابۂ کرام نے ظلم و جور کو مٹانے، طاغوتی قوتوں کو ختم کرنے اور انسانوں کو انسان کی بندگی اور غیر اللہ کی عبادت سے آزاد کرانے کے لیے جنگیں لڑی تھیں۔ بلا شبہ ان جنگوں کی کوئی مثال نہیں ملتی، نہ وہ مقاصد موجود ہیں اور نہ ہی وہ فاتح نہ وہ آداب موجود ہیں اور نہ ان کے آثار۔ یہ اسلامی جنگ اور اسلامی جہاد کی ایک مثالی اور پرکشش اور منفرد صورت تھی لیکن موجودہ دور میں اسلامی جنگ بھی جہاد کے مترادف ہے مگر ایسی جنگوں کا خرچ برداشت کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔

زکوٰۃ کی اس مد میں سے صرف ان مجاہدین پر خرچ کیا جائے گا جو جہاد میں اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے شامل ہوئے ہوں اور حکومت انھیں اس کے بدلے میں کوئی معاوضہ نہ دے۔ ایسے لوگوں کو جانے آنے کے لیے اور جہاد میں جس قدر ضرورت درکار ہو زکوٰۃ سے دیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ مالدار کیوں نہ ہوں۔

۲۔ راہِ خدا میں خرچ کرنا

فی سبیل اللہ کا جہاد کے علاوہ دوسرا مطلب راہِ خدا ہے یعنی ہر وہ کام جس میں انسانیت کی فلاح ہو اور اس میں رضائے الٰہی ہو وہ فی سبیل اللہ ہے کیونکہ قرآن پاک میں یہ لفظ راہِ خدا میں خرچ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور اس مفہوم پر قرآنِ پاک کی مندرجہ آیات دلالت کرتی ہیں۔

مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء۔

(البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے

نیز یہ فرمانِ الٰہی ہے:

الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون

(البقرہ: ۲۶۲)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے نہ دکھ دیتے ہیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔

ان آیات سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ فی سبیل اللہ کا لفظ قتال اور اس سے متعلقہ امور کے ساتھ خاص ہے کیونکہ ان آیات میں منّ (احسان) اور اذی (ایذا رسانی) کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ ظاہر ہے تنگدست اور صاحبِ حاجت لوگوں پر خرچ کرنے کی صورت ہی میں ہوتا ہے اور اسی طرح یہ فرمانِ الٰہی ہے۔

والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل

دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں

اللّٰہِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

(توبہ: ۳۴)

اس آیت میں بھی سبیل اللہ کا عام مفہوم مراد ہے۔ لہٰذا نیک کاموں میں زکوٰۃ کی رقم بھی خرچ کی جا سکتی ہے اس کے متعلق مسائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسلامی مدارس کو زکوٰۃ دینا

اسلامی مدارس کے مستحق طلباء کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور مدارس میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ مدارس کے ناظم کو زکوٰۃ کی رقم دے کر وکیل بنا دیا جائے اور ناظم اس روپے کو مصارف زکوٰۃ کی شرعی قیود کے مطابق طلباء پر خرچ کر دے تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی البتہ زکوٰۃ کے روپیہ سے مدارس کی عمارت تعمیر نہیں کی جا سکتی لیکن مستحق طلباء کو کتب، کپڑے اور دیگر ضروریات کی چیزیں لے کر دی جا سکتی ہیں۔

۲۔ زکوٰۃ کے روپیہ سے تعمیر مسجد جائز نہیں

مسلمانوں میں مسجد کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے، وہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے جو پورے معاشرہ کے لیے یکساں ہے اور کوئی فرد واحد اس کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا مسجد کی تعمیر کے لیے زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی مسجد زکوٰۃ کے روپے سے تعمیر نہیں کی گئی اس لیے زکوٰۃ کے روپیہ سے مسجد مرمت کرانا، اس میں صفیں یا دریاں وغیرہ بھی ڈال دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

۳۔ امام اور مؤذن کی تنخواہ

امام اور مؤذن اپنی خدمت کا صلہ پاتے ہیں اس لیے ان کی خدمت زکوٰۃ سے ادا نہیں ہو سکتی کیونکہ زکوٰۃ ہمیشہ کسی معاوضہ کے بغیر دی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کی امامت کے معاوضے میں زکوٰۃ کے روپیہ سے معاوضہ ادا کرنا خلاف شرع ہے مگر اس کے برعکس اگر وہ مسکین یا غریب ہو تو ذاتی طور پر اسے زکوٰۃ سے کچھ مدد کی جا سکتی ہے۔

۴۔ زکوٰۃ کے روپیہ سے لائبریری قائم کرنا

اگر کوئی شخص یا انجمن زکوٰۃ کے روپیہ سے لائبریری قائم کرنا چاہے کر سکتی ہے تاکہ دوسرے لوگ ان کتب کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکیں مگر یہ کتب لائبریری کی ملکیت میں ہوں گی اور لوگ ان سے بلا معاوضہ فائدہ اٹھا سکیں۔ اگر ان کتب کی کچھ فیس رکھی جائے تو درست نہ ہوگا۔

۵۔ زکوٰۃ کے روپیہ سے قرآن مجید خرید کر تقسیم کرنا

اگر کوئی شخص زکوٰۃ کے روپے سے قرآن مجید خرید کر مستحق لوگوں میں تقسیم کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگر غیر مستحق یعنی کسی مالدار کو دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۶۔ ہسپتال اور شفاخانوں پر زکوٰۃ خرچ کرنا

زکوٰۃ کے روپے سے ہسپتال یا شفاخانہ کی عمارت تعمیر نہیں کی جا سکتی اور جو مریض اس شفاخانہ سے زکوٰۃ کے روپے سے دوائیں ان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں۔ دوسرے یہ دوا لینے والا مریض مسلمان ہو۔ اگر مریض میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

۷۔ تبلیغی جلسے پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں

تبلیغی جلسوں پر زکوٰۃ خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ اس میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہوتی۔

۸۔ ابن السبیل یعنی مسافر

قرآن پاک میں مصارف زکوٰۃ کے سلسلے میں مسافر کے لیے ابن السبیل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لغوی اعتبار سے سبیل کے معنی راستے کے ہیں اور ابن اصطلاحاً راستے پر چلنے والے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے لہٰذا ابن السبیل سے مراد ایسا مسافر ہے جس کا زاد راہ ختم ہو گیا ہو یا کم ہو گیا ہو تو ایسے مسافر پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا درست ہے۔

کیونکہ قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر ابن السبیل کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بہت تاکید کی ہے۔

۱۔ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔

(پ ۱۰، انفال ۴۱)

اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

۲۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔

لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں۔ جواب دیجیے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ اور جو تم نیکی کرو گے اللہ خوب جاننے والا ہے۔ بقرہ ۲۱۵

۳۔ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔

(پ ۵، نساء ۳۶)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار اجنبی ہمسایہ سے پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان غلاموں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں۔

۴۔ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (پ [illegible] ۳۰)

رشتہ دار کو اس کا حق دیتے رہو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق۔ یہ طریقہ ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں بہتر ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

۵. وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل ۲۶)

رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق، فضول خرچی نہ کرو۔

۶. مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر ۷)

جو مال اللہ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پھیر دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

ان آیات سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر پر خرچ کرنے کے لیے بہت تاکید کی ہے تاکہ مسافروں کو کوئی دقت نہ ہو۔ اب سفر کی مختلف صورتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنا درست ہے۔

مسافرت کی مختلف صورتیں

سفر کرنے کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں کیونکہ مقصد کے بغیر سفر بے معنی ہوتا ہے سفر خواہ پیدل ہو یا کسی سواری پر، اس کے لیے ہر صورت میں کچھ نہ کچھ زادِ راہ درکار ہوتا ہے اور جس کا زادِ راہ ختم ہو جائے اس کی مدد کرنا انسانی فریضہ میں شامل ہے قرآنِ مجید کی رُو سے جن مقاصد کے لیے سفر کرنا جائز ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سفر برائے حصولِ علم

سفر کا ایک مقصد حصولِ علم ہے کیونکہ سفر کے ذریعہ مشاہدہ ہوتا ہے جو علم کی بنیاد ہے۔ اس لیے صدرِ اوّل کے علماء اور فضلاء نے حصولِ علم کے سفر میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اللہ کی زمین پر پھر کر اس کا مشاہدہ کرنا عین رضائے الٰہی بھی ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

تم فرماؤ زمین میں سفر کر کے دیکھو، اللہ کیوں کر پہلے بناتا ہے۔ پھر اللہ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔

تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں تو زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا، یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے طلب علم کے لیے باہر نکلتا ہے تو جب تک لوٹ کر دوبارہ واپس نہ آتا ہے وہ اللہ کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلسَّائِحُوْنَ کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا۔

شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت ہارون سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم ابوسعید کے پاس گئے تو وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت کیا خوب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگ تمہارے تابع ہیں۔ لوگ تمہارے پاس چاروں طرف سے مذہبی بصیرت اور دین کو سمجھنے کے لیے آئیں گے۔ پس جو لوگ آئیں اس وقت تم ان کو نیکی کی تعلیم دو۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:-

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے!

ان آیات سے یہ بات عیاں ہے کہ کائنات میں موجود اللہ کی نشانیوں پر غور کیا جائے اور اپنے علمی تجربات میں اضافہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص حصول علم کے لیے نکلا ہو وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہے لہٰذا ایسے

مسافر کو بوقت ضرورت دینا عین ابن السبیل ہے۔

۲۔ حصول معاش کے لیے سفر

سفر کا دوسرا مقصد حصول معاش بھی ہے، کاروبار، تجارت یا ملازمت کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا بھی عین اسلام کے مطابق ہے کیوں کہ قرآن پاک میں کئی مقامات پر رزق حلال تلاش کرنے کی تلقین کی ہے لہٰذا جب کبھی اس قسم کے مسافر کو دوران سفر خرچہ کی ضرورت پیش آئے تو اسے بھی زکوٰۃ کی شق ابن السبیل کے تحت دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (پارہ ۲۹، المزمل)

اور کچھ زمین میں سفر کریں گے، اللہ کا فضل تلاش کرنے اور کچھ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو جتنا قرآن میسر ہو پڑھو۔

۲۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ (پ ۲۹، الملک: ۱۵)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین رام کردی تو اس کے رستوں میں چلو اور اللہ کی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

۳۔ سفر برائے تبلیغ

اللہ کے دین کی تبلیغ کے لیے سفر کرنا بڑا افضل ہے کیونکہ تبلیغ کا مطلب ہے نیکی کا پیغام اور دین کے احکام بجنسہ تک پہنچانا ہے۔ اس کا اصل مقصد تو غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا ہے تاکہ وہ اسلام کی حقیقت سے باخبر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور اللہ کا دین تمام دنیا پر پھیل جائے۔ چنانچہ اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے سفر ناگزیر ہے اس لیے اس سفر میں اگر کسی مسافر سے زاد راہ ختم ہو جائے تو زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنا جائز ہے کیونکہ سفر تبلیغ کا مقصد رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اے اللہ کے رسول تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ

تیری طرف اُترا ہے اسے دوسروں تک پہنچا دیں۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اس لیے اب یہ فریضہ اُمت کے سپرد ہے کہ وہ اللہ کے پیغام کو دنیا کے ہر انسان تک پہنچائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۔

تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا اُن میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر۔

اس آیت کی رُو سے مسلمانوں پر تبلیغ کرنا فرض ہے اسی کے پیشِ نظر صحابہ اکرام اور اللہ کے دوسرے بندوں نے اپنی زندگیوں کو اس کام کے لیے وقف کر دیا اور دنیا کے دور دراز علاقوں میں تبلیغِ دین کی خاطر بڑے طویل سفر اختیار کیے اور سفر کی بے حد تکلیفیں برداشت کیں تو ایسے حالات میں جبکہ مبلغِ اسلام دینِ اسلام کی خاطر سفر میں ہو تو اس کی اس مد سے خدمت کی جائے بشرطیکہ اسے ضرورت ہو۔

۴۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سفر

دینِ اسلام کی حمایت، فروغ، تحفظ اور سربلندی کے لیے جو بھی کوشش کی جاتی ہے اسے جہاد کہا جاتا ہے مگر اس کا اصل مقصد اللہ کی راہ میں لڑنا ہے۔ اللہ کے ہاں اس کا بڑا درجہ ہے اس لیے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ (پ ۱۰، توبہ ۴۱)

نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔
(توبہ : ۱۲۱)

یہ بھی کبھی نہ ہوگا کہ (راہ خدا میں) تھوڑا یا بہت کوئی خرچ اٹھائیں اور (سعی جہاد میں) کوئی وادی پار کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ نہ لیا جائے تاکہ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں عطا کرے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہاد کا بڑا صلہ ملے گا لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ راہ خدا میں صبح کا سفر یا شام کا سفر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)
جہاد کے سفر میں اگر کسی مسافر کو مالی ضرورت درپیش ہو تو ایسے مسافر کی زکوٰۃ سے اعانت کرنا درست ہے۔

۵۔ سفر برائے حج

فریضۂ حج کے لیے سفر کرنا عبادت ہے اور جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس کے لیے یہ سفر بہت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں حج پر جانے کے لیے ترغیب دی گئی ہے۔

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۔ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۔

اور لوگوں میں حج کی ندا کردے وہ تیرے پاس پیدل چلے آئیں گے اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔ تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں۔ اس پر کہ انھیں روزی دی بے زبان چوپائے تو ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔ (آل عمران : ۹۷)

لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

ان آیات سے عیاں ہے کہ سفر کا ایک مقصد حج ہے اگر اس سفر میں یا حج کے موقع پر حاجی کا زاد راہ ختم ہو جائے یا رقم گم ہو جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مدد

کرنا جائز ہے۔

دیگر مقاصد کے لیے سفر

ان وجوہات کے علاوہ سفر کرنے کی اور بھی بہت سی وجوہات بن جاتی ہیں عموماً لوگ کے عزیز و اقارب مختلف مقامات پر رہائش پذیر ہوتے ہیں تو ان سے ملاقات یا کسی خوشی یا غمی کے موقعہ پر جانے کے لیے بھی سفر اختیار کرنا پڑتا ہے تو راستے میں یا منزل مقصود پر پہنچ کر رقم کی ضرورت مد پیش آ جائے تو اس کی اعانت بھی زکوٰۃ کی اس مد سے کی جا سکتی ہے۔

ایک مسافر اللہ کے درویش صوفیاء اور فقیر ہوتے ہیں جو تلاش حق کی خاطر قریہ قریہ پھرتے رہتے ہیں اور اللہ کی زمین پر سیر کرتے پھرتے ہیں۔ ایسے مسافروں کے پاس ذرائع وسائل انتہائی محدود ہوتے ہیں۔ نیک لوگوں سے ملاقات کرنا اور اولیاء اللہ کی صحبت سے لطف اندوز ہونا ان کے سفر کا خاص مقصد ہوتا ہے اور روحانی بھائیوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ ایسے سالک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے لیکن انھیں کھانے اور طعام کے لیے رقم کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔ زکوٰۃ تقسیم کرنے والوں کو اللہ کے ایسے مخصوص حاجتمندوں کی تلاش میں رہنا چاہیے اور انھیں زکوٰۃ دینا قربت الٰہیہ کا ایک ذریعہ ہے۔

مسافروں کی فلاح کیلیے اسلام کی خصوصی توجہ

اسلام نے اجنبی مسافروں اور اپنے وطن سے دور راہ نوردوں کی جانب جس قدر التفات کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی نظام اور قانون میں نہیں ملتی۔ درحقیقت مسافروں کے حقوق اسلامی نظام کے وسیع اور جامع نظام کفالت کا ایک حصہ ہیں۔ یعنی اسلام نے صرف اس امر پر اکتفا نہیں کیا ہے کہ ایک ملک کے شہری کی ضروریات پوری ہو جائیں بلکہ اسلام نے انسانوں پر مختلف حالات میں پیش آ جانے والی ضرورتوں کی تکمیل کو بھی مدنظر رکھا ہے اور مسافروں کی دشواریوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے اور

بالخصوص اس دور میں جبکہ آج کی طرح ہوٹلوں وغیرہ کی آسائشات میسر نہیں تھیں۔
روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے عہد میں ایک دار الدقیق بنوایا تھا جس میں آٹا، ستو، کھجور اور کشمش وغیرہ موجود رہتیں اور ان اشیاء سے گھر سے دور مسافروں کی امداد کی جاتی اور مہمان جو حضرت عمرؓ کے پاس آتے ان کی مہمان نوازی کی جاتی۔ آپؓ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان شاہراہ پر بھی ایسے مسافروں کے لیے ضیافت خانہ بنایا تھا جن کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہو اور سواری کا انتظام تھا جو ایک پانی سے دوسرے پانی تک پہنچا دیتی تھی۔

ابن السبیل کی زکوٰۃ سے مدد

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن پاک میں مسافروں کے لیے ابن السبیل کا لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ زکوٰۃ کی اس مد سے مسافر کے لیے خرچ کرنا جائز ہے۔ فقہ حنفیہ کے مطابق ابن السبیل سے مراد وہ شخصیت ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن اس کے اپنے وطن میں ہو اور وہ خود ایسے مقام پر ہو جہاں اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ پرانے وقتوں میں سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ سواری کے وسائل بہت کم ہوتے تھے ایسے سفر میں تو اور زیادہ تکلیف ہوتی تھی راستے دشوار گزار ہوتے تھے۔ صحرا، جنگل، پہاڑی علاقوں میں سفر کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ راستوں میں کھانے پینے، ٹھہرنے اوڑھنے کا خاطر خواہ انتظام نہ ہوتا تھا جس طرح آج کل ہے۔ مسافرت کی ان تکالیف کے پیش نظر اسلام میں مسافر کو حالتِ سفر میں محتاج کی صورت میں زکوٰۃ سے مدد کرنے کا حکم ہے۔
مسافروں کی تکلیف کو رفع کرنے کے لیے اسلامی دورِ حکومت میں سرائیں، کنویں اور مسافر خانے تعمیر کرائے گئے۔ زمانہ میں جدید مسافرت کے لیے کئی سہولتیں میسر آ گئی ہیں۔ دشوار گزار راستے بہترین سڑکوں کی صورت میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ ذرائع آمد و رفت میں بے شمار سہولتیں ہیں۔ گھنٹوں کا سفر منٹوں میں کرنے کا اہتمام ہے۔ جگہ جگہ کھانے پینے کے لیے طعام گاہوں کا بندوبست ہے لیکن غور کیا جائے تو یہ

تمام سہولتیں دولت مند مسافروں کے لیے ہیں۔ دولتمندی اور سرمایہ کی وجہ سے انہیں ہر
جگہ ہر قسم کی راحت و آسائش میسر آ سکتی ہے۔ لیکن غریب مسافروں کے لیے سہولتوں کا کوئی
خاطر خواہ بندوبست نہیں ہوتا لہٰذا ایسے مسافروں کی بہتری کے لیے زکوٰۃ سے روپیہ خرچ
کیا جا سکتا ہے۔ جن مسافروں کے پاس زادِ راہ ختم ہو جائے یا وہ کسی ناگہانی مصیبت کا
شکار ہو جائیں یا بیماری کے باعث ان کے لیے منزلِ مقصود پر پہنچنا محال ہو جائے
تو ایسے مسافروں کی زکوٰۃ سے اعانت کی جائے۔ اس کے متعلقہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جس جگہ ابن السبیل موجود ہے وہاں وہ حاجتمند ہو اور اس کے پاس وطن تک
پہنچنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس اپنے وطن تک پہنچنے کے
لیے مال ہو تو اسے کچھ نہیں دیا جائے گا۔

۲۔ جو لوگ کسی نیک مقصد کی بجائے کسی معصیت اور عیاشی کی خاطر سفر کر رہے ہوں
تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ ان کی اعانت کرنے سے گناہ
میں تعاون ہوگا لیکن اگر کوئی ایسا مسافر مصیبت کا شکار ہو اور اس کے پاس سفر کا
کرایہ اور طعام کا خرچہ نہ ہو تو اسے بھی اس مد سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ
گناہ گاروں اور برے لوگوں کی آڑے وقت میں مدد کرنا ان سے ہمدردی ظاہر کرنا ان
کی اصلاح اور عاقبت کا انجام خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے کیونکہ دیکھنے میں آتا ہے کہ حسن سلوک
سے اکثر اوقات برے انسان نیکی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ ابن السبیل کو اتنا دیا جائے کہ جو اس کے اخراجات کے لیے کافی ہو اور وہ آسانی
سے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے یا وطن تک پہنچ جائے جہاں اس کا مال ہو۔

۴۔ اگر ابن السبیل گھر واپس پہنچ جائے اور زکوٰۃ میں ملی ہوئی رقم کچھ بچ جائے تو
اس سے واپس نہ لی جائے البتہ اگر وہ چاہے تو صدقہ کر دے کیونکہ یہ تقویٰ کے زیادہ
قریب ہے۔

۱۱

آدابِ زکوٰۃ

آفتابِ رسالت کا زمانہ تھا، پیغامِ حق دور دور پہنچ گیا، صحرا نشین مسلمان ہو چکے
تھے۔ وہ قوم جو آدابِ زندگی سے بے بہرہ تھی سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں
اللہ کی رحمت سے فیضیاب کیا۔ انہیں جینے کا قرینہ سکھایا آدابِ حیات سے آگاہ
کیا۔ ان کے دلوں میں حُبِ الٰہی جلوہ گر ہوئی ان کے سینے نورِ حق سے معمور ہوگئے۔
وہ آدابِ عجز و نیاز کے گہوارہ بن گئے آدابِ مسلمانی کی انتہا ہوئی۔ اسلام کے ابتدائی
مسلمان کا ایمان اکمل تھا۔ اس کے ہر کام میں رضائے الٰہی تھی وہ جب اللہ کی راہ
میں خرچ کرتا تھا تو اس کے پیشِ نظر صرف اتباعِ رسول کا جذبہ کارفرما ہوتا تھا۔ وہ
خلوص اور ایثار کا پُتلا تھا۔ اس کا مال طیب اور پاک تھا۔ وہ محبوب سے محبوب تر
مال اللہ کی راہ میں لٹا دیتا تھا مگر جوں جوں مسلمان عہدِ رسالت اور خلافت
راشدہ سے دور ہوا اس کی بات میں بناوٹ اور عمل میں نمائش کا عنصر بڑھتا گیا ہے
حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ انسان راہِ اللہ میں ایک فریضہ ادا کرتے ہوئے بھی
مصلحتوں اور فائدوں کو مدِ نظر رکھتا ہے جو آدابِ مسلمانی کے خلاف ہیں۔ انہیں
زکوٰۃ دینا محض لوگوں پر احسان جتلانے کے مترادف ہوگا تاکہ رشتہ دار اور غریب مسکین
اس کی سخاوت کے گن گائیں اور اس کی ماتحتی کو قبول کریں۔ کیونکہ انسانی نفس میں
دوسروں پر اپنی سیادت قائم کرنے کا مادہ موجود ہے جس کے تحت اس کے دل میں
اس سخاوت کی آڑ میں غریبوں سے بیگار لینے کا جذبہ اُبھر آتا ہے۔ مگر یہ سراسر خسارے
کا سودا ہے۔ یا الٰہی اس سے بچنے کی توفیق دے۔

اے مردِ مسلم گر تو چاہتا ہے کہ تیری نماز، تیری زکوٰۃ، تیرا عمرہ، تیرا حج بارگاہِ عزت

میں مقبول ہوں تو زکوٰۃ دیتے ہوئے مندرجہ آداب کو بہ نظر رکھیں کیونکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ان آداب کا قرآنِ پاک میں ذکر ہوا ہے۔

ا۔ مستحق اور غیر مستحق افراد

غریا کم افراد ایسے ہیں جنہیں زکوٰۃ دینا درست نہیں، کیونکہ شریعت نے ان کے لیے زکوٰۃ لینے کو حرام قرار دیا ہے اور وہ افراد حسبِ ذیل ہیں۔

ا۔ غنی یعنی مالدار زکوٰۃ دینے کا مقصد ہے کہ زکوٰۃ صرف ان افراد کو دی جائے جو اس کے اہل ہوں، قرآنِ پاک میں جن اصناف کو مستحق قرار دیا ہے۔ ان میں اغنیاء کا شمار نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو فرمایا تھا کہ ان کے اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اغنیاء زکوٰۃ لینے کے زمرے میں نہیں آتے لیکن اغنیاء کی چند ایسی صورتیں بھی ہیں جو مستثنیٰ ہیں۔ ایسے عاملین زکوٰۃ جو زکوٰۃ لینے اور دینے کا فریضہ انجام دیتے ہوں وہ غنی ہوتے ہوئے بھی اپنی محنت کا معاوضہ لینے کے مستحق ہیں پھر ایسے مسافر جو سفر میں محتاج ہو جائیں اگرچہ اپنے اصل وطن میں غنی ہوں۔ وہ اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ انہیں حالتِ سفر میں ضرورت کے تحت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ پھر غارمین، مؤلفہ قلوب ہیں انہیں بھی ہر حال میں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے خواہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا اس ضمن میں اغنیاء سے مراد عام مالدار ہیں جو اپنے پاس مال و دولت رکھتے ہوئے مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اغنیاء کون ہیں، جو زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں تو وہ صاحبِ نصاب لوگ ہیں۔ جن پر خود زکوٰۃ عائد ہوتی ہے ایسے دولتمند لوگ خواہ معذور یا محتاج ہی کیوں نہ ہوں زکوٰۃ لینے کے مستحق نہیں۔

غنی کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ غنی کا اہل عیال جن کی کفالت اس کے ذمے ہوگی وہ بھی اسی زمرے میں شمار ہوں گے یعنی غنی کا بیٹا، بیٹی اور بیوی

بھی غنی تصور کیے جائیں گے۔ اس لیے از روئے شریعت وہ بھی غنی ہونے کی صورت میں
زکوٰۃ کے اہل نہیں۔

غنی کے متعلق فقہاء کی آرا مختلف ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ اس غنی کو صدقہ لینا جائز نہیں جو کسی کے نصاب
زکوٰۃ کا مالک ہو۔

حضرت امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ مالداری یہ ہے کہ بقدر کفایت موجود ہو اور احتیاج
نہ ہو اور احتیاج نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ حرام ہے اگرچہ وہ کسی شے کا مالک
نہ ہو اور اگر احتیاج ہو تو زکوٰۃ لینا حلال ہے خواہ ایک نصاب کا مالک ہو یا کئی نصابوں
کا مالک ہو۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غنا (مالداری) کی کوئی حد متعین نہیں ہے بلکہ اس
سلسلے میں انسان کی وسعت کی حالت کا اعتبار ہوگا یعنی اگر اس کے پاس بقدر کفایت
موجود ہو تو اسے زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اگر اسے ضرورت ہو تو اس کے لیے صدقہ
حلال ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا ذریعہ معاش (کسب) موجود ہو تو وہ ایک درہم
ہونے کی صورت میں بھی غنی ہے لیکن اگر وہ کسب کے قابل نہیں ہے اور کثرت عیال کا
حامل ہے تو وہ ہزار دینار کا مالک ہونے کے باوجود بھی غنی نہیں ہوگا۔

۲۔ رشتہ دار

ایسے رشتہ داروں کی کفالت زکوٰۃ دہندہ کے ذمے نہ ہو انہیں
زکوٰۃ دینا جائز ہے البتہ قریبی رشتہ دار جن کی کفالت اور نفقہ
زکوٰۃ دینے والے کے ذمے ہو انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ لہٰذا والدین کو زکوٰۃ دینا
درست نہیں۔ کیونکہ والدین جب تک اولاد کے ساتھ رہتے ہوں تو ان کا نفقہ اور گزر اوقات
مشترکہ ہوتا ہے اس لیے انہیں زکوٰۃ دینے کا مطلب اپنے آپ ہی کو زکوٰۃ دینا ہوگا اور
اس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اولاد کا مال باپ کا مال
تصور ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا

ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ آدمی کا پاکیزہ کھانا اس کا اپنے ہاتھ کا کسب ہے
اور اس کا بیٹا بھی اس کا کسب ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر والدین کا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
کیونکہ اولاد والدین کے گھر کا جزو ہوتی ہے بنا بریں والد یا والدہ کا اپنے بیٹے اور بیٹی کو زکوٰۃ دینے سے فریضہ
ادا نہ ہوگا۔ خواہ وہ والدین کی کفالت سے علیحدہ ہی کیوں نہ رہتے ہوں۔ ایسے ہی اولاد
کا اپنے والدین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

قریبی رشتہ داری میں میاں بیوی کا رشتہ بہت قریبی ہے لہٰذا شوہر کے لیے اپنی
بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ کیونکہ شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے جو اسے زکوٰۃ لینے
سے بالاتر کرتا ہے اس لیے اگر کوئی شوہر بیوی کو زکوٰۃ دے تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔
کیونکہ میاں بیوی کا گھر ایک ہوتا ہے اس لیے انھیں دینا جائز نہیں۔ ایسے ہی بیوی
اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینے کی مجاز نہیں اگرچہ شوہر مسکین ہو اور بیوی مالدار ہی کیوں نہ
ہو۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت پر فوقیت دی ہے اس لیے مالدار بیوی کا اپنے مسکین
شوہر کو زکوٰۃ دینا مرد کی فوقیت کے خلاف ہے کہ مرد اپنی عورت کا بھکاری بنے لہٰذا
مرد کو اپنی عورت سے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

قریبی رشتہ داروں میں بھائی بہن، چچا، ماموں، پھوپھی وغیرہ کا بھی شمار ہوتا ہے۔
اگر وہ زکوٰۃ لینے کے اہل ہوں تو انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ ان میں سے کوئی زکوٰۃ
دیتے وقت زکوٰۃ دہندہ کی کفالت میں نہ ہو۔ بہن اور بھائی کو اس وقت زکوٰۃ دی جا
سکتی ہے جبکہ وہ آپ سے علیحدہ رہتے ہوں البتہ بیوہ بہن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ کیونکہ
حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ اگر کسی شخص کے رشتہ دار محتاج ہوں تو وہ انھیں
زکوٰۃ دے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ والدین اولاد اور بیوی کو چھوڑ کر قریبی رشتہ داروں
کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا عین اسلامی صلہ رحمی اور اخوت میں شامل ہے۔ اس لیے ان کے
مستحق زکوٰۃ ہونے کی صورت میں انھیں دینا زیادہ بہتر ہے۔

۲۔ طاقت ور آدمی کیلئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں

جو شخص تندرست و توانا ہو تو اس کے لیے

زکوٰۃ لینا جائز نہیں کیونکہ شرعاً اس کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ اپنے کسب سے محنت کرے اور اس سے جو معاوضہ حاصل ہو اس سے اپنی ضروریات پوری کرے اور زکوٰۃ لینے کی طرف توجہ نہ دے کیونکہ اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ ہے :-

وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِينَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَآنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ.

حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھے دو آدمیوں نے خبر دی کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صدقہ تقسیم کر رہے تھے انہوں نے بھی آپ سے صدقہ کا سوال کیا آپ نے ہم پر نظر اوپر اٹھائی یا اوپر سے نیچے کی جب آپ نے طاقتور صحت مند دیکھا فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو تم کو دے دیتا ہوں لیکن اس میں طاقتور اور صحت مند آدمی کا کوئی حصہ نہیں ہے جو کمانے کی طاقت رکھتا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قوی آدمی کے لیے زکوٰۃ لینا درست نہیں کیونکہ آپ نے ان دونوں اشخاص سے فرمایا جنھوں نے آپ سے زکوٰۃ مانگی اور بظاہر وہ تندرست تھے کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے پھر بھی اگر تم کہتے ہو تو دے دیتا ہوں لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا سوال کرنا درست نہ تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ طاقتور تندرست سوال کرنے والے کو زکوٰۃ تو دی جا سکتی ہے مگر ان کے لیے لینا درست نہیں۔

حنفی علماء کی رائے اس کے برخلاف ہے اور ان کے نزدیک جو شخص زکوٰۃ سے کم نصاب کا مالک ہو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے اگرچہ وہ صحیح اور مکتسب ہو، کیونکہ وہ فقیر ہے اور فقراء مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں نیز یہ کہ حقیقی حاجت کا پتہ لگانا دشوار ہے اس لیے نصاب زکوٰۃ کے مالک نہ ہونے کو حاجت مند ہونے کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔

۴۔ زکوٰۃ اور غیر مسلم

تالیف القلوب کے تحت غیر مسلموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن ایسے غیر مسلم جو مسلمانوں کے دشمن ہوں اور اسلام کو مٹانے کے درپے ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار رہتے ہوں انہیں زکوٰۃ دینا حرام ہے۔ ایسے لوگ تالیف کے درجے میں نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کی زکوٰۃ سے امداد کرنا اسلام دشمنی کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام سے دشمنی رکھنے والوں کے ساتھ دوستی سے منع فرمایا ہے بلکہ ایسے غیر مسلم افراد سے تعلق رکھنا مسلمانوں پر ظلم کرنے کے برابر ہے۔

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

(الممتحنہ : ۹)

وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

مرتد کا شمار بھی غیر مسلموں میں ہوتا ہے لہٰذا جو شخص مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہو تو اس کی زکوٰۃ کی مد سے مدد نہیں کی جا سکتی بلکہ ایسا کرنا گناہ ہوگا۔ کیونکہ اسلام چھوڑنا بغاوت ہے اور بغاوت اسلام میں بہت بڑا جرم ہے اس لیے مرتد کی زکوٰۃ سے امداد کرنا بھی جرم ہے۔

ملحد کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں بلکہ حرام اور گناہ ہے کیونکہ ملحد توحید، رسالت اور آخرت کا منکر ہوتا ہے اس لیے اس کی امداد کیوں کی جائے۔ کیونکہ الحاد اسلام کا دشمن ہے اس لیے الحاد اسلام دشمنی کے مترادف ہے لہٰذا ملحد کی تالیف نہیں کرنی چاہیے۔

۵۔ سادات یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اہل بیت پر زکوٰۃ حرام ہے اس کی وجہ آپ ہوں کا تقدس ہے کیونکہ آل رسول کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق کی بنا پر عوام الناس پر فوقیت اور شرف حاصل ہے مگر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آل رسول کون ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک

بنو ہاشم اور بنو مطلب آل رسول ہیں۔ مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ صرف بنو ہاشم ہی آل رسول ہیں اور ان میں حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد اور غیر فاطمی اولاد یا حضرت عباسؓ یا حضرت جعفر یا حضرت عقیل یا حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد شمار کی جاتی ہے اور یہ سب ہاشمی ہیں۔ ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

جہاں تک لفظ سادات کا تعلق ہے تو یہ صحابہ کرام کے زمانے میں تو اہل بیت کے لیے مخصوص تھا مگر بعد ازاں خاص کر حسنین کریمین کی اولاد کے لیے مخصوص ہو گیا۔ لیکن لفظ سید کے بارے میں علمائے لغت کا بیان ہے کہ یہ ایک عام لفظ ہے جو عربوں میں اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی سردار کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور آج کل بھی یہی لفظ عربوں میں رہنما اور سردار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر اہل عرب کے علاوہ عجمی لوگوں نے اس لفظ کو آل رسول کے لیے مخصوص کر دیا ہے اس لیے صدیوں سے اس لفظ کا اطلاق آل رسول پر ہوتا رہا ہے اور آل رسول ہی کو دراصل اہل بیت تسلیم کیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ اور صدقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لیے حرام ہے کیونکہ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مندرجہ ذیل ہیں:

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ۔

حضرت عبدالمطلبؓ بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل ہیں۔ اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی آل کے لیے حلال نہیں۔

(صحیح مسلم)

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ لوگوں کی میل ہے لہٰذا یہ آل رسول کے لیے کیسے ہو۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِخْ كِخْ لِيَطْرَحَهَا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حسن بن علیؓ نے صدقہ کی ایک کھجور پکڑ کر اپنے منہ میں ڈال لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اندر کر اندر کر تاکہ اس کو پھینک دے پھر فرمایا تو جانتا نہیں کہ ہم صدقہ

[illegible] اما شعرت انا لا ناکل الصدقة۔ نہیں کھایا کرتے۔ (بخاری)

اس حدیث نے فیصلہ فرما دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اَنَّا کا لفظ استعمال کر کے تا قیامت اپنی اولاد کو شامل فرما لیا، یہی حق ہے۔ بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ حکم اس زمانہ میں تھا اب سید زکوٰۃ لے سکتے ہیں یا سید کی زکوٰۃ سید لے سکتے ہیں، ایسی تمام آراء درست نہیں۔ خیال رہے کہ بنی ہاشم سے مراد آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث ابن عبد المطلب اور آل رسول ہیں۔ ابولہب کی سلطانی اولاد اگرچہ بنی ہاشم تو ہیں مگر یہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ کی حرمت کرامت و عزت کے لیے ہے۔ ابولہب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کی کوشش میں رہا اسی لیے وہ اور اس کی اولاد اس عظمت کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی نابالغ اولاد کو بھی ناجائز کام نہ کرنے دیا۔ دیکھو حضرت حسین اس وقت بہت ہی کم سن اور نابالغ تھے جیسا کہ کخ کخ فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی زکوٰۃ کا چھوہارا کھانے سے روک دیا۔

وعن ابی هریرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اتی بطعام سأل عنه فان قیل صدقة قال لاصحابه کلوا ولم یأکل وان قیل هدیة ضرب بیده فاکل معهم۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس وقت کوئی کھانا لایا جاتا آپ اس سے دریافت فرماتے ہدیہ یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے۔ آپ اپنے صحابہ سے فرماتے تم کھاؤ اور خود نہ کھاتے۔ اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے اپنا ہاتھ بھی اس میں ڈالتے اور ان کے ساتھ کھاتے۔ (مسلم شریف)

بعض صحابہ اپنے واجب و نفلی صدقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے غربا میں تقسیم فرما دیں تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ وغیرہ فقراء و صحابہ پر تقسیم فرما دیتے تھے اور بعض لوگ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ و نذرانہ لاتے تھے چونکہ دو قسم کے مال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اس لیے اگر لانے والا صاف صاف نہ کہتا تو سرکار خود پوچھ لیتے تھے۔ ہدیہ سے حضور بھی کھا لیتے تھے مگر صدقہ خود استعمال

کھلاتے تھے یہاں صحابہ سے مراد فقراء صحابہ ہیں جو صدقہ واجبہ لے سکتے ہیں۔ ہدیہ وغیرہ
کا کھانا خود بھی کھاتے تھے اور موجود صحابہ کو بھی اپنے ہمراہ کھلاتے تھے خیال رہے کہ غنی اور
سید کو صدقہ نفل لینا جائز ہے وہ صدقہ ان کے لیے ہدیہ بن جاتا ہے مگر حضور انور صلی اللہ
علیہ وسلم صدقہ نفل بھی نہ لیتے تھے کیونکہ اس میں صدقہ دینے والا لینے والے پر کرم کرتا ہے
جس کا ثواب اللہ سے چاہتا ہے۔ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کے خواستگار ہیں۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کون انسان رحم کرسکتا ہے۔ ان صدقات سے جیسے کنوئیں کا پانی
مسجد قبرستان کی زمین اس کا حکم دوسرا ہے کہ ہر غنی و فقیر بلکہ خود صدقہ کرنے والے واقف
کو بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز تھا۔

وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ
بَنِي مَخْزُومٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِأَبِي
رَافِعٍ اصْحَبْنِي كَيْمَا تُصِيبَ مِنْهَا
فَقَالَ لَا حَتَّى آتِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ فَانْطَلَقَ إِلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ
فَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَ
إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔

حضرت ابو رافع سے روایت ہے آپ نے بنو مخزوم
کا ایک آدمی صدقہ کی وصولی کے لیے بھیجا اس نے
ابو رافع سے کہا تم میرے ساتھ چلو تمہیں بھی کچھ
حصہ وصول ہوگا اس نے کہا نہیں یہاں تک کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں۔ وہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے پوچھا
آپ نے فرمایا صدقہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے کسی
قوم کا موالی اس قوم میں سے ہوتا ہے۔
(نسائی شریف)

کسی مخزومی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ پر عامل بنایا جس کو زکوٰۃ سے معاوضہ
دیا جاتا۔ اس مخزومی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام جن کا نام اسلم ہے کنیت
ابو رافع سے کہا تم بھی میرے ساتھ چلو۔ جو اجرت ملے گی اس میں تمہارا حصہ ہوگا جس سے
تمہارا کچھ کام چل جائے گا۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ اے ابو رافع تم جو ہمارے غلام اور ہم ہیں
بنی ہاشم سے۔ چونکہ بنی ہاشم زکوٰۃ کے عامل بن کر اس سے اجرت بھی نہیں لے سکتے لہٰذا تم بھی
یہ اجرت نہیں لے سکتے۔ اس حدیث سے چند ضروری باتیں حاصل ہوئے ایک یہ کہ حضرات

بنی ہاشم خصوصاً سیدوں کی شان اسلام میں بہت بلند ہے کہ غنی عامل زکوٰۃ سے اُجرت لے
سکتا ہے مگر یہ حضرات تو کیا ان کا زر خرید غلام بھی اُجرت بھی نہیں لے سکتا۔ اس سے وہ لوگ
سبق پکڑیں جو آج کل سیدوں کو زکوٰۃ کھانا جائز کرنے کی دھن میں ہیں۔ سادات کو زکوٰۃ
لینا ہرگز جائز نہیں۔ دوسرے یہ ذی شان والوں کی نسبت سے ادنیٰ بھی شان والے بن
جاتے ہیں۔ دیکھو سید کا غلام اگرچہ کسی قوم سے ہو زکوٰۃ نہیں لے سکتا بلکہ زکوٰۃ سے اُجرت
عمل بھی نہیں وصول کر سکتا۔

۲۔ نیت زکوٰۃ

زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے۔ چونکہ جو مال زکوٰۃ میں دیا جائے اس
کے بارے میں انسان کے دل و دماغ میں یہ ارادہ ہونا چاہیے کہ وہ مال اس نے اللہ کی راہ
میں زکوٰۃ کا دیا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا کرنے سے زکوٰۃ نہیں
ہوتی البتہ زکوٰۃ کا روپیہ دے دیا اور نیت بعد میں کی تو پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ نیت
زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے ہوتی ہے یا اس شخص کی طرف سے ہوگی جس کے مال کا وہ
ولی ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی بچے مجنون یا کم عقل والے کا ولی ہو تو اسے ان کی جانب
سے نیت کر کے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی اگر یہ ولی نیت کیے بغیر زکوٰۃ ادا کرے گا تو اس طرح
اس فریضہ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

قرآن مجید میں اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ
وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ۔
(پ ۔ البینہ ۵)

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی
بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے
بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں

اس آیت میں یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس سے مراد
نیت ہے کیونکہ اخلاص کی بنیاد نیت ہے اگر نیت درست ہوگی تو اخلاص خود بخود پیدا

ہوگا۔

جب کسی نے زکوٰۃ کا پیسہ نکال کر الگ رکھ لیا ہو مگر دیتے وقت نیت کرنا یاد نہ رہے تو پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ اس نے زکوٰۃ کا پیسہ پہلے ہی زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھ لیا تھا۔

کوئی مستحق شخص قرض مانگنے آیا اور آپ نے اسے زکوٰۃ کی نیت کر کے زکوٰۃ کے پیسے دے دیے اور بعد میں واپس نہ لیے تو زکوٰۃ ہو جائے گی اگر قرض دیا تھا اور مقروض مستحق ہے تو زکوٰۃ کی نیت سے بھی قرضہ چھوڑا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی بلا نیت اور بلا ارادہ زکوٰۃ ادا کر دے خواہ وہ ناواقفیت ایسا کیا ہو یا بھول کر ایسا کیا ہو، تو یہ زکوٰۃ جائز نہیں ہوگی کہ ناواقفیت یا بھول اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے اپنا مال بلا ارادہ تقرب اور بلا نیت عبادت دے دیا اور یہ ایک بے مدعا اور بے جا عمل ہو گیا۔

حکومت کے قائم کردہ نظام زکوٰۃ کی صورت میں بھی زکوٰۃ دینے والے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ وصول کرتے وقت حکومت کی بھی زکوٰۃ لینے کی نیت کا ہونا ضروری ہے اگر حکومت زکوٰۃ کی نیت سے زکوٰۃ نہ لے تو وہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس لیے زکوٰۃ کی ادائیگی اور وصولی میں دونوں اطراف کی نیت ہونی چاہیے اس لیے صرف حکومت کی نیت کافی نہیں۔

اہل احناف کے نزدیک نیت کا ادائیگی کے وقت سے متصل ہونا ضروری ہے اور ادائیگی سے مراد فقراء کو دینا یا امام کو دینا ہے کیونکہ امام فقراء کا نائب ہے اور نیت کا ادائیگی کے وقت سے متصل ہونا اس لیے ضروری ہے کہ تمام عبادات میں اصول یہی ہے کہ جس وقت عبادت شروع کی جائے اس وقت نیت کی جائے۔

نیت کا وقت سے حکمی طور پر متصل ہونا بھی جواز کے لیے کافی ہے جیسا کہ بلا نیت دے دیا پھر نیت کی جبکہ مال ابھی فقیر کے ہاتھ میں موجود تھا، یا وکیل کو دیتے ہوئے نیت کی۔ پھر وکیل نے بلا نیت دے دی، یا ذمی کو دے دی تاکہ وہ فقراء کو دے دے اس لیے کہ نیت حکم دینے والے کی معتبر ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار کو باقی مال سے جُدا کرتے وقت کی نیت بھی کافی ہے اگرچہ یہ خلاف اصول ہے کیونکہ مستحقین کو دیتے وقت نیت علیحدہ علیحدہ ہوگی اور ہر مرتبہ نیت میں دشواری محسوس ہوگی اس لیے زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کرنے کے وقت کی نیت کافی ہے لیکن محض جُدا کر کے زکوٰۃ سے عہدہ برآ نہیں ہوگا بلکہ فقراء کو دے کر عہدہ برآ ہوگا۔

اگر کسی نے اپنا تمام مال صدقہ کر دیا تو اس سے زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی اگرچہ اس نے علاً اس کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ کیونکہ جو زکوٰۃ واجب ہے وہ اس مال کا ایک حصہ ہے اور جب اس نے پورے کا پورا اللہ کے لیے صدقہ کر دیا تو اس پر نیت کی پابندی ساقط ہو جائے گی۔

۳۔ زکوٰۃ دینے میں جلدی کرنا

اس کے متعلق حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل سے کام لینا چاہیے۔ واجب ہونے سے پہلے جس سال میں کبھی بھی دے دیا کرے۔ اس کے تین فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ عبادت کے شوق کا اظہار ہوگا کیونکہ ایک چیز جب واجب ہو جاتی ہے تو اس کی ادائیگی لازم اور ضروری ہو جاتی ہے نہ دیں تو عذاب کا خطرہ ہے اسلیے اس پوزیشن میں کسی فرض کا بجالانے والا عذاب و سزا کے خوف سے بجالائے گا محبت اور دوستی کا حافظ نہ کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا۔ جلدی ادائیگی کی وجہ سے فقراء خوش ہوں گے اور خلوص دل کے ساتھ دعا کریں گے کیونکہ انھیں اس موقعہ پر جو خوشی ہوگی وہ ناگہانی ہو گی۔ اور فقراء کی دعا اس کے حق میں بہت ساری آفتوں سے حصار بنے گی۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ایسا شخص دنیا کی آفات سے بے فکر ہو جائے گا کیونکہ تاخیر میں ہزار آفتیں پنہاں ہیں۔ ممکن ہے کوئی امر مانع ہو جائے۔ اور آدمی اس خیر و نیکی سے محروم رہے۔ جب آدمی کے دل میں امر خیر کی رغبت پیدا ہو تو اسے غنیمت جانے کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے ہوتی ہے اس کے بعد شیطان کے حملہ کا خطرہ ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک بزرگ کو بیت الخلاء میں خیال آیا کہ اپنا پیرہن کسی فقیر کو دے
دے فوراً ... بیٹے کو بلا کر پیرہن اتار کے دے دیا اور اسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ مرید
نے سبب پوچھا کہ اتنی دیر صبر کر لیا ہوتا تو فرمایا کہ میں نے سوچا مبادا دل میں کوئی خیال
آ جائے اور اس امر خیر سے محروم ہو جاؤں۔

زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے ادا کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ	حضرت علی سے روایت ہے کہ ابن عباس نے نبی صلی اللہ
رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي	علیہ وسلم سے زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے دے دینے
تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ	کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے اس کو اس
فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذٰلِكَ ؕ	بات کی رخصت دے دی۔ (ابوداؤد)

۴۔ زکوٰۃ میں حلال اور بہتر مال دینا

زکوٰۃ دینے کے احکامات کے ساتھ اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ رزق حلال
سے دی جائے اور جس مال کی زکوٰۃ دی جا رہی ہے وہ رزق حلال ہو۔ اسلام میں کسب
حلال ہی کمانے کی تلقین ہے اور پھر اس پر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ مگر جوں جوں مسلمان
رسول پاک کے زمانہ سے دور ہوا تو اس کی کمائی میں حرام کی آمیزش شروع ہو گئی۔ زمانہ حال
میں ایسا وقت آ گیا ہے کہ رزق حلال ناپید ہو رہا ہے اور چاروں طرف حرام ہی حرام ہے بلکہ
بعض اچھے لوگ بھی مجبوریوں کے تحت کسب حرام کا شکار ہو جاتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا
کہ کمائی کے لحاظ سے ہمارے معاشرے میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اوّلاً وہ لوگ
ہیں جو مسلمانوں میں نہایت ہی متقی پرہیزگار ہیں۔ جو احکامات خداوندی پر چلتے
ہیں اور بالکل رزق حلال کماتے ہیں اور اسی سے خرچ کرتے ہیں مگر ایسے لوگ خال خال
ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر ان لوگوں کی کمائی ہے جو حلال کمانے کی کوشش
کرتے ہیں مگر حالات اور مجبوریوں کے تحت ان کی کمائی میں حلال و حرام مل جاتا ہے جس سے
ان کی کمائی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ تیسرے نمبر پر حرام کمائی ہے جو سراسر حرام کے ذرائع سے آتی ہے۔

یہ جذبہ بہت ہی بُرا ہے اور مسلمانی کے بالکل خلاف ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی کمائی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بہت ہی بُرا قرار دیا ہے۔ ایک تو اسے حرام کمانے کی سزا ملے گی۔ اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ بے شک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو جو حق تجھ پر تھا وہ تو ادا ہو گیا جو شخص حرام طریقے سے مال جمع کر کے صدقہ کرے اس کو اس صدقہ کا کوئی ثواب نہیں بلکہ اس حرام کمائی کا وبال اس پر ہے۔

قرآن پاک میں بھی یہی ارشاد ہوا ہے کہ آپس میں ناحق مال نہ کھاؤ۔ اس سے یہی معلوم ہوا کہ انسان کو رزق حلال کمانا چاہیے اور اس ہی سے زکوٰۃ دینی چاہیے۔

بخاری میں ہے کہ چوری کے مال سے صدقہ قبول نہ ہوگا۔ اور صرف پاک کمائی کی زکوٰۃ قبول ہوگی۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ اچھی بات اور معاف کر دینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستایا جائے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور صرف پاک کمائی کو قبول کرتا ہے پھر اس خیرات کرنے والے کے لیے پالتا رہتا ہے جس طرح تم میں کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ صدقہ خیرات پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے (بخاری شریف)

۵۔ پوشیدہ طریقے سے ادائگی

زکوٰۃ خفیہ طور پر چپکے سے دینی چاہیے تاکہ نفس میں ریا اور شہرت کا مادہ پیدا نہ ہو۔ پوشیدہ ادائگی سے خلوص قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ریا کو پسند نہیں کرتا کیوں کہ اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہے لہٰذا زکوٰۃ کی ادائگی میں ریا سے بچنا بہت چاہیے۔ ریاکاری سے نیکی کا اجر ضائع ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کو ریا بالکل پسند نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا

اور وہ جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ قیامت پر، اور جس کا مصاحب شیطان ہو تو کیسا بُرا صاحب ہے۔ (پارہ ۵۔ النساء آیت ۳۸)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ

اور اُن جیسے نہ بنو جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں کے دکھانے کو اور اللہ کی راہ سے روکتے، اور ان کے سب کام اللہ کے قابو میں ہیں۔ (پارہ ۱۰۔ انفال آیت ۴۷)

حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس روز سایہ میں رکھے گا جس روز کہ کوئی سایہ بجز اس کے عرش کے نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے کہ اس نے کوئی صدقہ دیا ہو اور اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ شہرت والے اور زبان کھول اور دست رکھنے والے سے قبول نہیں فرماتا اور جو شخص اپنے صدقہ کو کہتا پھرتا ہے وہ شہرت کا طالب ہے اور جو لوگوں کے مجمع میں دیتا ہے وہ ریا کا خواہاں ہے اور پوشیدہ دینا اور چھپے رہنا ان دونوں آفتوں سے بچاتا ہے۔ اور بعض اکابر نے پوشیدہ خیرات کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ اس باب میں کوشش کی کہ لینے والا دینے والے کو نہ پہچانے اس لیے بعض آدمی تو اندھے کے ہاتھ میں خیرات ڈال دیتے تھے اور بعض فقیر کے راستہ میں اور اس کے بیٹھنے کی جگہ میں پھینک دیتے ہیں اس طرح کہ وہ چیز کو دیکھے اور دینے والے کو نہ دیکھے اور بعض سوتے ہوئے فقیر کے کپڑے میں باندھ دیتے ہیں اور بعض دوسرے شخص کے ہاتھ فقیر کے پاس پہنچا دیتے کہ اس کو دینے والے کا حال نہ معلوم ہو اور درمیانی شخص اس کا حال پوشیدہ رکھتا تھا اور وہ درمیانی سے کہہ بھی دیتا تھا کہ ظاہر مت کرنا۔ اور یہ سب اس لیے تھا کہ خدائے تعالیٰ کے غضب کو بجھانے کا ذریعہ پیدا کریں اور شہرت اور ریا سے بچے رہیں اور

جب ایسی صورت ہو کہ بدون ایک شخص کے معلوم کیے خیرات ادا نہ ہو سکے تو بہتر ہے کہ وہ
ایک وکیل کو سپرد کر دے کہ وہ مسکین کو حوالہ کرے اور اس کو خبر نہ ہو کہ کس نے دیا اس لیے کہ
مسکین کے پہچاننے میں ریا اور احسان دونوں ہیں بلا مدد ریائی کے جاننے میں صرف ریا ہی
ہو گی مدد باتیں تو رہ جائیں گی، اور جس صورت میں کہ دینے والے کو شہرت مقصود ہو تو اس کا
عمل لغو ہو جائے گا کیونکہ زکوٰۃ بخل کے دور کرنے اور مال کی محبت کم کرنے کو ہے اور جاہ کی
محبت بہ نسبت مال کی محبت کے نفس پر زیادہ چھاتی ہے اور آخرت میں ان دونوں میں سے
ہر ایک مہلک ہے۔ مگر بخل کی صفت قبر میں شکل گزندہ بچھو کے متشکل ہو گی اور ریا کی صفت
سانپ کی سی ہو گی۔ اور آدمی کو ان دونوں چیزوں کے سست کرنے کا خواہ مار ڈالنے کا حکم ہے
تاکہ ان کی اذیت بالکل دور ہو جائے یا کم ہو پس جبکہ قصد ریا اور شہرت کا کرے گا تو گویا بچھو کے
بعض اجزاء کو سانپ کی غذا بنا دے گا۔ تو ظاہر ہے کہ جس قدر بچھو کمزور ہو گا اسی قدر سانپ
تنومند ہو گا اس سے تو اگر دونوں ہی بےضرر رہتا تو اس پر آسان ہوتا اور غرض ان صفات
کی خواہش کے خلاف عمل کرنے سے یہ غرض ہے کہ اس میں کیا فائدہ ہے کہ سبب بخل کے
تو خلاف کرے اور سبب ریا کی اطاعت کرے اس سے تو ادنیٰ چیز مزید ہو جائے گی اور
قوی کو اور زیادہ قوت ہو گی۔ (احیاء العلوم)

۶۔ ادائیگی زکوٰۃ میں ترغیب کو مدنظر رکھنا

ادائیگی زکوٰۃ میں ظاہر دینے کو اس لیے مدنظر رکھنا کہ دوسرے لوگوں میں تحریک اور
ترغیب پیدا ہو جائز اور درست ہے کیونکہ جس عمل سے لوگوں کے دلوں میں ویسا عمل کرنے
کا شوق پیدا ہو نیکی ہے اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قرآن: ان تبدوا الصدقٰت فنعما ہی ۚ   اگر تم ظاہر کرکے صدقات دو تو بھی اچھی بات ہے۔

اس سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے مجمع میں جیسے عید یا جمعہ کے
موقع لوگوں میں کسی غنی سے زکوٰۃ لینے کا سوال کرے تو غنی کو اس موقع پر ظاہر ہونے
کے خوف سے بچنا نہیں چاہیے بلکہ سوالی کا سوال پورا کرنا چاہیے لیکن اپنے عمل کو ایسے موقع

بہرحال ریاکاری سے بچانا چاہیے۔

حضرت علامہ غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر دینے میں ایک اور خرابی ہے سوائے احسان اور ایذا کے اور وہ فقیر کے پردہ کو پھاڑنا ہے کیونکہ اکثر سائل کو اس بات سے ایذا ہوتی ہے کہ کوئی اس کو محتاج کی صورت میں دیکھے پس جبکہ خود اس نے اپنے پردہ کو خیال نہ کیا اور بظاہر سوال کیا تو یہ تیسری خرابی اس شخص کے حق میں متصور نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فسق چھپا کر کرتا ہو کہ اس کو ظاہر کرنا اور سراغ لگانا اور رغبت کرنی ممنوع ہے مگر جو شخص خود فسق کو ظاہر کرے تو ایسے کے فسق کو ظاہر کرنا اس کی سزا ہے مگر اس کا سبب وہ خود ہی ہے اور اسی جیسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من القی جلباب الحیاء فلا غیبة لہ۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وانفقوا مما رزقنٰھم سرًا وعلانیة۔ اس آیت میں علانیہ دینے کے لیے بھی ارشاد فرمایا۔ اس وجہ سے کہ اس میں اوروں کی ترغیب کا فائدہ ہے غرضیکہ آدمی کو چاہیے کہ ظاہر دینے میں جو فائدہ ہے اس کو اس خرابی سے جو اس میں لازم آتی ہے تحقیق سے سوچ لے اس لیے کہ یہ امر حال اور اشخاص کے مختلف ہونے سے اوسکا اور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات کچھ حالات میں بعض شخصوں کو ظاہر دینا ہی بہتر ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص کہ فائدوں اور خرابیوں کو معلوم کرے اور شہرت کی نظر سے قطع نظر کرے اس کو ہر حال میں واضح ہو جائے گا کہ بہتر اور لائق کون سی طرح کا دینا ہے۔ (احیاء العلوم)

۷۔ زکوٰۃ کی بناء پر اذیت دینے سے بچنا

زکوٰۃ کی ادائیگی میں اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ زکوٰۃ کی آڑ میں کسی کو احسان جتا کر کے اذیت نہیں پہنچانی چاہیے۔ کیوں کہ اس طرح وہ ضائع ہو جائے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَآ أَذًى ۗ وَاللَّهُ

اچھی بات کہنا اور درگذر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پرواہ

غَنِیٌّ حَلِیْمٌ (پ ۳ البقرۃ: ۲۶۳) — حلم والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (پ ۳ البقرۃ: ۲۶۴) — اے ایمان والو اپنے صدقے باطل نہ کرو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔

اللہ کی راہ میں دی ہوئی کوئی بھی چیز احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے سے ضائع ہو جاتی ہے کیونکہ زکوٰۃ دے کر دوسرے لوگوں سے اس کا ذکر کرنا، زکوٰۃ لینے والے سے زکوٰۃ کا بدلہ چاہنا کہ وہ شکر گزار اور دعاگو بنے، خدمت اور تعظیم کرے، یا جو کہنا ملنے کام کاج کر دے، ایسے سب امور احسان کا بدلہ ہوں گے۔ ایسے ہی احسان کرنے کے بعد اذیت دینے سے نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔

اذیٰ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام غزالی نے لکھا ہے کہ اذیٰ کے معنی ظاہر میں تو جھڑکی اور عیب لگانے اور درشت کلامی اور ترش روئی اور ظاہر ہونے سے پردہ دری کے ہیں اور فقیر کے ساتھ یہ اقسام سب کے کاربند ہونے کے ہیں مگر باطن میں جو اس کا منشا ہے وہ دو باتیں ہیں۔ اول مال پر سے ہاتھ ہٹانے کو برا جاننا اور نفس پر اس کا سخت گزرنا کہ نفس کو یہ بہت کھلا ہوا کرتا ہے۔ دوم اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ میں فقیر سے بہتر ہوں، یہ شخص اپنی حاجت کے سبب سے مجھ سے رتبہ میں کم ہے اور ان دونوں باتوں کا منشا جہالت ہے مثلاً مال کے دینے کو برا جاننا عقل از حماقت نہیں کیونکہ جو کوئی ہزار کے عوض میں ایک درہم کے دینے کو برا جانے تو اس سے زیادہ احمق کون ہے اور ظاہر ہے کہ مال خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی اور ثواب اخروی کے لیے بوجہ شکر کے ادا کرتا ہے پھر ان میں سے کونسی وجہ ہو ناگوار معلوم ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اور دوسری بات بھی جہالت ہے اس لیے کہ اگر آدمی فقیری کا فضل تونگری کی نسبت معلوم کرے اور تونگروں کے خطر کو پہچانے تو کبھی فقیر کو حقیر نہ جانے، بلکہ اس کے ذریعے سے تبرک حاصل کرے اور اس کے رتبہ کی تمنا کرے کیونکہ تونگروں میں سے نیک بخت آدمی فقیروں سے پانچ سو برس بعد جنت میں داخل ہوں گے، اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ھم الاخسرون ورب الکعبۃ۔ حضرت ابو ذر نے پوچھا کہ وہ کون ہیں فرمایا کہ

مراد الاکثرون اموالاً یعنی جن لوگوں کے پاس مال بہت ہے پھر فقیر کو کیسے حقیر جانتا ہے جس کے لیے خدائے تعالیٰ نے اس کو مسخر کر رکھا ہے یعنی مالدار تو کوشش سے مال کماتا ہے اور اس کو محنت کر کے بڑھاتا ہے اور حفاظت کرتا ہے پھر اس پر لازم کر دیا گیا ہے کہ فقیر کو بقدر حاجت دے ڈالے اور زائد از حاجت سے اس کو روکے جس کے دینے سے اس کو ضرر ہو۔ پس اس صورت میں مالدار فقیر کی روزی کے کمانے کے لیے کسب کرتا ہے اور فقیر سے اس بات میں عمدہ ہے کہ لوگوں کے حقوق اپنی گردن پر لیتا ہے اور اور مشقت بہت سی اٹھاتا ہے اور مال زندگی کی حفاظت مرتے دم تک کرتا ہے یہاں تک کہ بعد کو اس کے دشمن اس مال کو کھاتے ہیں، پس جب آدمی کے دل سے برائی دینے کی نکل جائے اور برائی کے بدلے خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق واجب کے ادا کرنے کی دی اور فقیر کو بھیج دیا جس کو مال حوالہ کر کے اس کے حق سے ادا ہوا اور فقیر نے اس کو قبول بھی کر لیا، تو اس صورت میں اذیٰ اور حقارت اور ترش روئی کچھ بھی نہ رہے گی بلکہ فقیر کو دے کر خوش ہوگا اور اس کی تعریف کرے گا اور اس کا احسان مانے گا اب اگر یہ کہو کہ منّ اور اذیٰ کا منشا تم نے یہ بتایا کہ آدمی اپنے آپ کو محسن خیال کرے اور یہ ایک باریک امر ہے اس کی کوئی پہچان بھی ہے جس سے معلوم ہو کہ دینے والے نے اپنے نفس کو محسن نہیں سمجھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں اس کی علامت باریک اور صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ فرض کر لے کہ اس فقیر نے اس کا کچھ نقصان کر دیا یا اس کے کسی دشمن سے جا ملا ہے تو دیکھے کہ دینے سے پیشتر اگر ایسی صورت ہوتی تو طبیعت کو بری معلوم ہوتی۔ تو وہی برائی اب بھی ہے یا کچھ زیادہ ہے اگر زیادہ ہو تو صدقہ مذکور میں کچھ نہ کچھ میل منت کا ضرور ہے اس نے اس صدقہ کے سبب سے اس بات کی توقع کی جس کی توقع اس کو اس صدقہ سے پیشتر نہ تھی اور یہ امر ایسا باریک ہے کہ کسی کا دل اس سے خالی نہیں ہوتا اور اس کا علاج ایک ظاہری ہے اور ایک باطنی، دوائے باطنی تو ان حقیقتوں کا معلوم کرنا ہے جن کو ہم نے وجوب کی وجہوں میں لکھا ہے اور اس بات کو جاننا کہ فقیر ہم پر احسان کرتا ہے کہ ہماری خواہش کو قبول کر کے ہم کو پاک کرتا ہے، اور ظاہری یہ ہے کہ دینے والا ایسے فعل کرتا ہے جیسے کوئی ممنون شخص کرتا ہے

کیونکہ جو افعال اعضاء سے صادر ہوتے ہیں وہ جس طرح کے اخلاق کے ہوتے ہیں دل کو
انہیں کا رنگ چڑھا دیتے ہیں چنانچہ اس کے اسرار اس باب کے نصف آخر میں مذکور ہوں
گے اور اسی وجہ سے بعض اکابر صدقہ کو فقیر کے سامنے رکھ کر اپنے آپ کھڑے ہوتے اور فقیر
سے التجا اس کے قبول کرنے کی کرتے۔ یہاں تک کہ خود اس کے سامنے سائلوں کی صورت
بناتے اور فقیر کو اپنے پاس آنا اچھا نہ جانتے، بلکہ خود فقیر کے پاس جا کر دینے کو زیادہ مناسب
سمجھتے۔ اور بعض اکابر ہاتھ پر صدقہ رکھ کر فقیر کے سامنے ہتھیلی پھیلا دیتے تاکہ فقیر اس کو اٹھا لے
اور اوپر ہاتھ فقیر کا رہے۔ اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ جب کچھ خیرات کسی فقیر کے پاس
بھیجتیں تو قاصد سے کہہ دیتیں کہ جو کچھ فقیر دعا کے کلمات کہے وہ یاد کر لینا جب وہ آکر بیان
کرتا تو وہی کلمات آپ بھی کہہ دیتیں اور فرماتیں کہ دعا کا بدلہ دعا اس لیے ہم نے کیا کہ ہمارا
صدقہ بچا رہے، غرض کہ اول کے لوگ فقیر سے دعا کی توقع نہ رکھتے تھے اس لیے کہ دعا بھی
ایک مکافات کا سا طور ہے، اور اگر کوئی اس کے لیے دعا کرتا تھا اس کے بدلے میں ویسی
ہی دعا اس کے لیے خود کر دیا کرتے تھے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا ہی
کیا ہے، پس ارباب دل اپنے دلوں کا علاج یہ کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر کی رو سے بجز
ان اعمال کے جو تواضع اور ذلت پر دلالت کرتے ہیں اور فقیر کی طرف سے احسان کا ماننا
ان سے معلوم ہوتا ہے اور کوئی علاج نہیں، اور باطن کے اعتبار سے ان امور کا جاننا جن کا
ہم ذکر کر چکے ہیں وہ تو عمل کی رو سے ہے اور یہ علم کی رو سے ہے اور دل کا علاج
ایسی ہی معجون سے ہوتا ہے جو مرکب علم و عمل دونوں سے ہو، اور زکوٰۃ میں من
اور اذی کے نہ ہونے کی شرط قائم مقام نماز کے اندر خشوع کرنے کے ہے چنانچہ دونوں
باتیں حدیث شریف سے ثابت ہیں، نماز کے باب میں ارشاد ہے لیس للمرء من
صلوٰتہ الا ما عقل منہا، اور زکوٰۃ میں فرمایا: لا یقبل اللہ صدقۃ منان اور
خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذی لیکن فقیہ
کا فتویٰ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی اور آدمی اس سے بری الذمہ ہوا گو اس میں یہ شرط مفقود
ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ (احیاء العلوم)

۸۔ زکوٰۃ دینے میں احسان نہ جتلانا

احسان کا مطلب نیک سلوک کرنا ہے جس سے دوسرے کا دل خوش ہو اور وہ آسانی اور راحت محسوس کریں۔ دوسروں کے ساتھ احسان کرنے کو اللہ تعالیٰ نے بہت پسند کیا ہے اسی لیے انسان سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تو احسان کر جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں ایک طرح کے حسن سلوک کا تعلق ہے جو احسان کے زمرے میں آتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ دینے کے بعد احسان نہیں جتلانا چاہیے کیونکہ اس طرح اس نیکی کا اجر ضائع ہو جانے گا بہر حال قرآن مجید میں جا بجا احسان کی تاکید کی گئی ہے اور یہ ہر شخص کے فرض میں شامل ہے لیکن جن کی مالی حالت میں وسعت ہے ان پر اسی لحاظ سے احسان کو بھی وسعت دینا عائد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (نحل ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے اور قرابت والوں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

احسان کی اس اہمیت کے پیش نظر احسان کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ زکوٰۃ دے کر دوسرے پر احسان نہ رکھا جائے۔ زکوٰۃ دے کر یہ نہ سمجھے کہ میں نے زکوٰۃ لینے والے کے ساتھ بڑی نیکی کی ہے اور اسے دولت سے نوازا ہے۔ اس لیے اس عمل کے عوض اس سے کوئی مقصد حاصل نہ کرے اس سے یہ امید و انبساط نہ کرے کہ زکوٰۃ لینے والا اس کی خدمت کرے، اس کے کام کرے اسے سلام میں پہل کرے اور ہر لحاظ سے اس کی زکوٰۃ دینے کی وجہ سے زیادہ عزت کرے۔ اس قسم کی توقعات وابستہ کرنا احسان کا بدلہ حاصل کرنا ہوگا اور ایسا کرنا نادانی ہے کہ جس سے نیکی ضائع ہو جائے۔ اگر زکوٰۃ دہندہ اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ نیکی میں نے نہیں کی بلکہ فریضہ ادا کیا ہے۔ نیز تو زکوٰۃ لینے والے کی ہے بلکہ احسان تو اس کا ہے کہ جس نے زکوٰۃ کا مال قبول کر کے اس کی نجات کا ذریعہ پیدا کیا اور اس کے دل کو نجاست اور بخل سے پاکیزہ کیا کیونکہ زکوٰۃ کا

مال تو اس کے لیے ہلاکت اور نجاست کا باعث تھا لیکن زکوٰۃ لینے والے کی وجہ سے اسے طہارت حاصل ہوئی اور نجات ملی اس لیے صاحب نصاب کو زکوٰۃ لینے والوں کا احسان مند ہونا چاہیے، نہ کہ احسان جتلا کر اپنی نیکی ضائع کرنی چاہیے۔ اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صدقہ پہلے تو اللہ تعالیٰ کے دستِ رحمت میں جاتا ہے پھر فقیر کے ہاتھ میں۔ تو جب حقیقت یہ ہے تو دولت مندوں کو فقیروں کا ممنون ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کے دستِ رحمت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بزرگان اور صالحین اس سلسلے میں ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں کہ کہیں احسان مندی ضائع نہ ہو جائے اور وہ ہمیشہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں فقراء اور مساکین کے سامنے عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے مال کو قبول کیا جائے لیکن جوں جوں قربِ قیامت کا زمانہ آ رہا ہے عاجزی کم ہوتی چلی جا رہی ہے جو انسان کی نجات میں کمی کا باعث بن رہی ہے لہٰذا احسان کر کے نہ جتلانے ہی میں انسان کی عظمت ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احسان کر کے بعد میں اس کی آڑ میں اذیت دینے سے منع فرمایا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ (البقرہ ۲۶۲)	جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دینے پیچھے نہ احسان رکھیں نہ تکلیف دیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔

۹۔ مستحقینِ زکوٰۃ کو تلاش کرنا

زکوٰۃ دینے میں اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ ضرورت مند کو دی جائے لہٰذا زکوٰۃ دیتے وقت اس امر کا خاص خیال رکھیے کہ مستحقینِ زکوٰۃ میں جو سب سے زیادہ حاجتمند ہوں، انہیں تلاش کر کے زکوٰۃ دی جائے کیونکہ زیادہ ضرورت مند کو تلاش کر کے دینے سے ثواب

زیادہ ہو جاتا ہے۔ جہاں حکومتی سطح پر نظام زکوٰۃ ہو یعنی حکومت زکوٰۃ جمع کرکے تقسیم کرتی ہو تو اس صورت میں عاملین زکوٰۃ کے فرائض میں یہ بات شامل ہوگی کہ وہ اپنے علاقہ میں مذکورہ ذیل مندوں کو تلاش کرکے انھیں زکوٰۃ دیں۔

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ مستحقین زکوٰۃ میں سے ایسا آدمی تلاش کیا جائے جس میں مندرجہ ذیل پانچ صفات میں سے کوئی ایک صفت ضرور موجود ہو۔

۱۔ پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ متقی پرہیزگار ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اَطْعِمُوْا طَعَامَكُمْ الْاَتْقِيَاءَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں معین و مددگار سمجھتے ہیں اور اس طرح دینے والا ثواب میں شریک ہو جاتا ہے کیونکہ دینے والا اس عابد کی عبادت میں مددگار ہوتا ہے۔ ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک میر ہمیشہ صوفیاء کو ہی صدقہ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کا قصد و ارادہ نہیں کرتے۔ اگر ان کو ضرورت و احتیاج ہوتی ہے تو ان کا دھیان بٹ جاتا ہے اور مجھ ایسے ایک صاحب دل کو بارگاہِ اقدس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بن جاؤں تو یہ ایسے دلوں کے ساتھ رعایت برتنے سے بہتر ہے۔ یہ صورت جب خواجہ جنید قدس سرہٗ کے سامنے آئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے ہے۔ یہ شخص سبزی بیچتا تھا حتیٰ کہ مفلس ہو گیا کیونکہ فقراء اس سے مال لیتے لیکن رقم ادا نہ کرتے۔ جب حضرت خواجہ جنید قدس سرہٗ نے دکان کے لیے اسے کچھ سرمایہ دیا اور فرمایا کہ تیرے جیسے آدمی کو تجارت میں کبھی نقصان نہیں ہوگا۔

۲۔ دوسری صفت یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے والا طالب علم ہو کیونکہ اسے زکوٰۃ دیں گے تو وہ یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کرے گا اور دینے والا اس کے ثواب میں شریک ہوگا۔

۳۔ تیسری صفت یہ ہے کہ ایسا شخص ہو جو اپنے فقر و احتیاج کو چھپائے رکھتا ہو اور تنگی شان و شوکت سے بسر کرتا ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۔

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اخلاص کو صبر و تحمل اور شوکت سے چھپایا ہوا ہے تو
ایسے لوگوں کو چھوڑ کے پیشہ ور بھکاریوں کو دے۔

۴۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ شخص عیال دار یا بیمار ہو اس واسطے کہ جو جتنا زیادہ حاجتمند
ہوگا اس کی خدمت سے اتنا ہی ثواب ملے گا۔

۵۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ اہل قرابت میں سے ہو کیوں کہ اس کو دینا دوگنے ثواب کا
باعث ہے خیرات کی ادائیگی اور حق قرابت کا لحاظ۔ جو شخص اللہ کی محبت کی وجہ سے
کسی سے تعلق رکھے تو وہ بھی قرابت داروں کے مرتبہ میں ہے جس شخص میں یہ تمام
صفات یا اکثر پائی جائیں وہ زیادہ بہتر ہے جب ایسے لوگوں کو مال دے گا تو ان کی
دعا اور ہمت دینے والے کے حق میں مفید ہوگی۔ یہ نفع اس نفع کے علاوہ ہے کہ اپنے
دل سے بخل کو دور کیا نعمت خداوندی کا شکر بجا لایا۔ زکوٰۃ دینے والے کو چاہیے کہ
سادات کو زکوٰۃ نہ دے کیونکہ یہ لوگوں کے مال کا میل ہے اور کافروں کو بھی نہ دے
کیونکہ یہ مال کافروں کو دینا افسوسناک ہے کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے (کیمیائے سعادت)

۱۰۔ زکوٰۃ میں خود غرضی کو ترک کرنا

اے کلمہ گو مسلمان! تیرا ضمیر مردہ ہو چکا ہے تو زکوٰۃ کیا دے گا، تیرے دل میں مسلمان
بھائیوں کی چاہت نہیں رہتی کیونکہ تیرا ایمان تقویٰ سے خالی ہے اور تیرا دل عشق رسول
کی لذت سے ناآشنا ہے کیونکہ تو تنگ دل ہے تیرے لیے فلاح کہاں کیونکہ اللہ کی راہ
میں خرچ کرنے کے لیے تیرا حوصلہ فراخ نہیں۔ تجھ میں عالی ظرفی نہیں۔ تیرا دل دنیا کی آلائش
سے پاک نہیں تو سخاوت کی قدر و قیمت کا قدر دان نہیں۔ تیرے دل میں مادیت کے
بت ڈیرہ جمائے بیٹھے ہیں۔ اور تو دن رات مال کو جمع کرنے کی ہوس میں ہے تو بخیل ہے
تو نفس پرست ہے۔ اگر تو راہ خدا میں دے گا بھی تو نفس پرستی کے لیے دے گا تو
جلد باز ہے اور نیکی کا صلہ پانے کے لیے اللہ سے فوراً امیدوار بن بیٹھتا ہے اللہ کا شکر
ادا کر، اس نے تجھے دولت مند بنایا اور زکوٰۃ دینے والا صاحب نصاب بنایا لیکن

اے حضرت انسان تجھے میرے ازلی دشمن نے راہِ راست کی طرف آنے سے روکا ہوا ہے شیطان کی پیروی کو چھوڑ دے۔ رحمان کا بندہ بن ذاتی مفادات کو اللہ کی راہ میں قربان کر اپنی دولت آقائے دوجہاں کے نام پر نچھاور کر۔ پھر دیکھ اللہ کی رحمت کے خزانے کیسے کھلتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے ہماری زبان پر تو اللہ کا نام ہے لیکن بغض میں امت مسلمہ کا خون کرنے کے لیے چڑھے ہیں اگر ہم راہ اللہ میں دیں بھی تو اس کی آڑ میں کوئی نہ کوئی دنیاوی مقصد لیے بیٹھے ہوں گے فرض کیجیے مقصد نہ بھی ہو مگر دے کر احسان اتنا جتلا دیں گے جو اس کی تذلیل کا باعث بنے گا۔ خدانخواستہ اگر کسی فلاحِ عامہ کے کام میں بھی حصہ لیا تو اس کی آڑ میں بھی شہرت کا لالچ ہوگا۔

اس دھرتی کے سرسبز میدان، پہاڑوں کے دامن، زرخیز کوہساروں کی وادیاں، راہگزاروں کے نخلستان غرض آبادیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ مال و دولت کی ریل پیل ہے۔ صاحبِ زر شان و شوکت کا سکہ جمائے بیٹھے ہیں کوئی کارخانہ دار ہے کوئی جاگیردار ہے مگر کونسا مسلمان ایسا ہے جس کے دل میں خدمتِ انسانیت کا جذبہ کروٹیں لیتا ہے۔ جو سونے سے پہلے حضرت عمرؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے پڑوس میں جھانکتا ہے کہ کوئی بھوکا تو نہیں، کوئی یتیم بے سہارا تو نہیں، کوئی بیوہ اپنی بیوگی میں کس مپرسی اور بے چارگی میں اپنے شب و روز بسر کر رہی ہے کسی معذور اور مسکین نے کھانا کھایا ہے کہ نہیں، کوئی مسافر بے سروسامانی میں رات گزارنے کا سہارا تو نہیں ڈھونڈ رہا۔ کوئی ضرورت مند قرض کا خواہاں تو نہیں، کوئی بسترِ مرگ پر حیات و موت کی کشمکش میں سسکیاں بھرتے ہوئے انسان کی مدد کا منتظر تو نہیں۔ لیکن تجربہ اور مشاہدہ یہی جواب دیتا ہے کہ ان ناگوار حالات میں مستحقین کی مدد کے لیے ہمیشہ بلاواسطہ دنیاوی دولت مند دل ہی وہی صاحبِ دل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ ہی لوگوں کے کام آتا ہے جو صاحبِ ایمان ہوگا جس کا دل حُبِ الٰہی سے معمور ہوگا اور جس کی روح عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں غوطہ زن ہوگی اور ایسا مردِ حق ہی فریضۂ زکوٰۃ کا صحیح حق ادا کرتا ہے۔

۱۱۔ اشیاء کے بدلے قیمت ادا کرنا

احادیث میں بیان ہوا ہے کہ مال کا مالک اتنی بکریوں میں سے ایک بکری، اتنی اونٹوں میں ایک اونٹنی، اتنی گندم سے اتنی گندم، سونے اور چاندی سے اتنا سونا اور چاندی ادا کرے جیسے نصاب میں یہ بیان ہوا ہے کہ فلاں اشیاء کی زکوٰۃ انہی اشیاء کی صورت اتنی مقدار میں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ دہندہ کو وہی اشیاء جن پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے زکوٰۃ میں دینی چاہیے یا ان اشیاء کی قیمت ادا کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں میرے نزدیک دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے خواہ زکوٰۃ دہندہ اشیاء کی صورت میں زکوٰۃ ادا کردے یا ان کی قیمت نقدی کی صورت میں ادا کردے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ اسلام کا نقطہ نظر زکوٰۃ کی ادائیگی ہے خواہ وہ جنس کی صورت میں ہو یا نقدی کی صورت میں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی واجب زکوٰۃ کے بدلے میں قیمت ادا کرنا زیادہ موزوں اور بہتر ہے۔ زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قابلِ فروخت چیز اور نقدی میں قیمت کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا کیونکہ چیز ہو تو اسے فروخت کر کے نقدی حاصل کی جا سکتی ہے اور اگر نقدی ہو تو چیز خریدی جا سکتی ہے اس لیے مال کے بدلے میں زکوٰۃ میں قیمت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۔ اسلامی فقہی لحاظ سے کسی چیز کو دوسری جنس سے تبدیل کر لینا جائز ہے اس لیے زکوٰۃ کے مال کی قیمت سے تبدیلی شرعاً جائز ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کا مقصد مستحقین کی ضرورت کا ازالہ ہے اور یہ مقصد نقدی میں مال کی نسبت جلدی اور بہتر طریقے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ مختلف ضروریات کی تکمیل میں نقدی میں آسانی ہے۔

(۱۲)

زکوٰۃ اور ٹیکس

ٹیکس مال کا ایک حصہ ہے جو حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے باشندگان سے وصول کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی مالی وصولی ہے جس کے بغیر حکومت چل نہیں سکتی۔ کیونکہ حکومت کو ملک کے بہت سے سیاسی، سماجی اور اقتصادی فرائض سرانجام دینے ہوتے ہیں جن کے لیے مال ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے حکومت اپنی رعایا سے ٹیکس حاصل کیے بغیر اپنی بقا کیسے رکھ سکتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ مسلمانوں کے مال میں اللہ کا مقرر کردہ حق ہے۔ جسے ادا کرنا مذہبی فریضہ ہے۔ ٹیکس کو زکوٰۃ کی مانند سمجھنا درست نہیں، یا یہ خیال کرنا کہ حکومت کا اپنی رعایا سے ٹیکس وصول کر لینا زکوٰۃ کے مترادف ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کیوں وصول کی جائے۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ اور اسلام کے منافی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ ہے جو مسلمان پر تاقیامت لاگو رہے گا۔ ٹیکس اور زکوٰۃ مختلف نوعیت کے محاصل ہیں جن کا فرق مندرجہ ذیل ہے:-

زکوٰۃ اور ٹیکس کی نوعیت میں فرق

۱۔ زکوٰۃ بحیثیت مالی عبادت

زکوٰۃ اگرچہ ایک محاصل ہے لیکن اس کی نوعیت بنیادی ٹیکس جیسی نہیں۔ کیونکہ یہ محاصل ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت بھی ہے بلکہ رکنِ اسلام ہے اور دینی فریضہ ہے۔ جیسے کہ نماز، روزہ اور حج رکنِ اسلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بیشمار مقامات پر نماز کے ساتھ ہی اس کی تاکید کی گئی ہے۔

۲۔ مسلمانوں پر فرضیت زکوٰۃ کی فرضیت صرف مسلمانوں پر ہے غیر مسلموں پر نہیں کیونکہ شرعاً یہ مالی عبادت دین کا حصہ ہے اس لیے صرف مسلمانوں پر ہی اس کی ادائیگی کی پابندی ہے۔ اس کے برعکس ٹیکس پر مسلمانی کی کوئی قید نہیں۔ بلکہ اس پر افراد میں سے جس پر قواعد کے مطابق ٹیکس عائد ہوتا ہے اسے دینا پڑیگا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

۳۔ مستقل نصاب زکوٰۃ کا نصاب مستقل نوعیت کا ہے جو فرضیت سے لے کر تا قیامت ایک جیسا ہی رہے گا جسے اللہ کے رسولؐ نے مقرر کر دیا ہے۔ اور اس میں تبدیل کا کسی کو حق نہیں۔ پھر ہر مال کے نصاب کا تعین کر دیا ہے۔ اور اس نصاب سے کم مالیتی مقدار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جبکہ ٹیکس کی مقدار حاکم وقت کی مرضی پر موقوف ہوتی ہے۔ حکومت جتنا چاہے ٹیکس عائد کر دے۔

۴۔ مستقل حیثیت زکوٰۃ کی حیثیت مستقل ہے۔ جب تک دنیا میں اسلام پر عمل کرنے والے قائم رہیں گے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور نہ کسی کو اس میں رد و بدل کرنے کا اختیار ہے۔ جبکہ ٹیکس کی حیثیت عارضی ہوتی ہے۔ حکومتِ وقت جب چاہے نیا ٹیکس لگا دے اور جب چاہے کسی ٹیکس کو ختم کر دے۔

۵۔ زکوٰۃ کے مصارف زکوٰۃ کے مصارف بھی مستقل نوعیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں۔ لہٰذا زکوٰۃ کی تقسیم کے وقت ان مصارف میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا کوئی حاکم اپنی مرضی یا رائے سے ان مصارف کے برعکس زکوٰۃ کو خرچ کرنے کا مجاز نہیں۔ جبکہ ٹیکس حکومت اپنی مرضی سے خرچ کرتی ہے۔ جس مد پر چاہے خرچ کرسکتی ہے اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

۱۴

صدقۂ فطر

فطر کا لفظی مطلب افطار کرنا ہے یعنی روزہ ختم ہونے کا صدقہ۔ اس لیے صدقۂ فطر وہ ہے جو رمضان المبارک کے روزے ختم ہونے پر واجب ہوتا ہے۔ اسے زکوٰۃ الفطر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے لیے صدقے کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے لیکن صدقۂ فطر اور عام زکوٰۃ میں فرق یہ ہے کہ صدقۂ فطر اشخاص پر واجب ہوتا ہے جبکہ زکوٰۃ مال پر عائد ہوتی ہے۔ جس سال مسلمانوں پر روزے فرض ہوئے اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کا حکم دیا۔ اس کی فرضیت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت یہ ہے:۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں اور جَو کا ایک صاع صدقۂ فطر مسلمانوں کے ہر غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے پر فرض قرار دیا ہے۔ اور حکم دیا ہے نماز عید کی طرف نکلنے سے پہلے اسے ادا کر دیا جائے۔

(مسلم، بخاری)

اس حدیث میں صدقۂ فطر کے لیے فرض کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن امام اعظمؒ نے اس مسئلے میں فرض اور واجب میں فرق کیا ہے اور صدقۂ فطر کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ اس فرق کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ فرض کا منکر کافر ہے لیکن واجب کا منکر کافر نہیں ہے

اس لیے فقہائے احناف واجب کو "فرض عملی" کہتے ہیں جو فرض اعتقادی کے بالمقابل ہے۔ جبکہ دوسرے ائمہ یعنی حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک فرض ان دونوں اقسام پر مشتمل ہے۔ یعنی جو قطعی دلیل سے ثابت ہو یا ظنی دلیل سے ثابت ہو۔ بہر حال، احکام میں احناف کی رائے فقہائے ثلاثہ سے مختلف نہیں ہے بلکہ یہ محض اصطلاحی اختلاف ہے جس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

احکامِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ رمضان المبارک کے روزے پورے احترام، شرائط اور آداب کے مطابق رکھے جائیں تاکہ روزہ دار سے حالتِ روزہ میں کوئی خلافِ شرع فعل سرزد نہ ہو، زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلنی چاہیئے جو گناہ کے زمرے میں آ جائے بلکہ صوم کامل میں تمام اعضاء کا روزہ ہونا چاہیئے۔ اس لیے روزہ دار کے ہاتھ پاؤں، زبان، پیٹ اور دل سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہونا چاہیئے جسے اللہ کے رسول نے منع کیا ہے لیکن احتیاط کے باوجود انسان سے روزہ میں اگر کوئی کمی یا کوتاہی ہو جائے تو شریعت اسلامیہ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی مزید حکم نافذ کر دیا ہے۔ تاکہ اس کمی اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ رمضان المبارک کے روزوں میں اگر شرعی احکام اور آداب کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو صدقۂ فطر سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اس کی سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے:۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر روزوں کو لغو اور بیہودہ سے پاکیزہ کرنے والا اور مساکین کے کھانے کا باعث بنا لیا ہے [illegible]

اس حدیث سے یہ بات عیاں ہے کہ روزہ میں سرزد ہونے والی اس طرح کی کوتاہی کے پیشِ نظر زکوٰۃ الفطر عائد کی گئی ہے تاکہ روزہ دار اس کوتاہی سے پاک و صاف ہو جائے۔ اس کے روزے میں جو آلودگی شامل ہوئی ہے وہ صاف ہو کر زائل ہو جائے اور جو نقص رہ گیا ہے اس کی تلافی ہو جائے۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ یہ صدقہ غریبوں اور حاجتمندوں کی مدد کے لیے ہے۔ کیونکہ عید کا دن خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس روز امیر و غریب من پسند کھا کر اور اچھا لباس پہن کر اظہار مسرت کریں۔ آپس میں مسلمانوں کو بھائی چارے کے تحت ملیں۔ اس امر کے تحت یہ ضروری ہے کہ غریبوں کو بھی اس روز اتنا مزید مل جائے جس سے وہ معاشرے کی مشترکہ خوشی میں شامل ہو سکیں۔ اس وجہ سے اسلامی معاشرے میں صدقۂ فطر کی ادائیگی ضروری ہے۔

۱۔ صدقہ فطر کس پر واجب ہے؟

بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ جس پر روزہ فرض نہیں اس پر **صدقۂ فطر** واجب نہیں ایسا سمجھنا غلط ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مگر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے کیونکہ صدقۂ فطر ہر کھاتے پیتے آزاد، غلام مرد، عورت، بچے، بوڑھے پر واجب ہے جس کے پاس اپنی اصل ضرورت کے علاوہ اتنی قیمت کا اثاثہ ہو کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اس وجوب کی سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي آخِرِ رَمَضَانَ أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے آپ نے رمضان کے آخر میں فرمایا اپنے روزوں کا صدقہ نکالو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرض کیا ہے۔ کھجوروں اور جَو میں سے ایک صاع اور گندم آدھا صاع، ہر آزاد، غلام مرد، عورت، بچے اور بوڑھے پر لازم ہے۔

(ابوداؤد)

صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے حاجت اصلیہ سے بقدر نصاب فاضل مال کا مالک ہونا ضروری ہے اس کی وضاحت یوں سمجھئے کہ اگر کسی کے پاس اپنی رہائش

کے علاوہ ایک اور مکان ہو جو خالی ہو یا کرائے پر دیا ہو، اگر اس مکان کی قیمت نصاب زکوٰۃ جتنی ہو تو مالک پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ اگر یہ مکان اس کے ذاتی گزارے کا ذریعہ ہے تو یہ مکان حاجاتِ اصلیہ میں شمار ہوگا اور اس شخص پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ ایسے ہی اگر کسی شخص کے پاس گھر کا سامان وقتی ضرورت سے علاوہ بقدرِ نصاب ہو تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ المختصر کہ وہ شخص جو مالی لحاظ سے اس حد تک آسودہ حال ہے کہ اعتدال کے ساتھ اپنی آمدن سے گزر اوقات کرنے کے قابل ہو اس کے لیے صدقۂ فطر کی ادائیگی ضروری ہے۔

صدقۂ فطر میں عاقل اور بالغ ہونا شرط نہیں، نابالغ یا مجنون اگر حاجتِ اصلیہ کے مطابق نصاب کے مالک ہیں تو ان پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔ ان کے ولی کو ان کے مال سے ادا کرنا چاہیئے یا جس کے ذمے ان کی کفالت ہے۔ اسے ادا کرنا چاہیئے۔

۲۔ جن کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کیا جا سکتا ہے

نابالغ بچوں کا صدقۂ فطر باپ پر واجب ہے ماں پر واجب نہیں کیونکہ بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہوتا ہے لہٰذا والد کو اپنی اولاد کا صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔ بالغ اولاد غریب ہو یا امیر، باپ پر ان کا صدقۂ فطر واجب نہیں۔ مگر جب تک اولاد کسبِ معاش نہ کرتی ہو تو باپ کو ان کا صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیئے۔ اگر اولاد میں سے کوئی بچہ یا بالغ مجنون ہو تو اس کا صدقہ بھی باپ کے ذمے ہوگا۔ باپ اگر اپنی بالغ اولاد کا صدقۂ فطر ادا کر دے تو ان کے ذمے سے صدقۂ فطر ساقط ہو جائے گا۔

بیوی کا صدقۂ فطر شوہر پر واجب نہیں۔ چونکہ اس کا نفقہ اس کے ذمے ہوتا ہے اس لیے اگر شوہر صدقۂ فطر ادا کر دے تو بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ اگر شوہر نہ ہو اور عورت مالی لحاظ سے اس ضمن میں شمار ہوتی ہو جس پر صدقۂ فطر واجب ہے تو اسے خود ادا کرنا چاہیئے۔ بیوی بلا اجازت خاوند کی طرف سے

فطرہ ادا کرے تو جائز نہیں، اجازت سے جائز ہوگا۔
کسی شخص پر اپنے چھوٹے بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں۔ اگر ان کی مرضی سے اپنی طرف سے ادا کرے تو ادا ہو جائیگا۔
اپنے اہل و عیال اور اہل نفقہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے بلا اجازت صدقہ فطر دینا واجب نہیں۔ البتہ اجازت سے جائز ہے۔
صدقہ فطر کے لیے مال کا باقی رہنا بھی شرط نہیں۔ کیونکہ مال ضائع ہونے کے بعد بھی صدقہ فطر واجب ہی رہتا ہے کیونکہ صدقہ فطر انسانوں پر ہے مال پر نہیں۔
صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے روزے رکھنا شرط نہیں۔ اگر کسی عذر یعنی سفر، مرض، بڑھاپے کی وجہ سے یا معاذ اللہ بلا عذر کے روزے نہیں رکھے تو بھی صدقہ فطر واجب ہے۔
باپ اگر فوت ہو جائے اور دادا زندہ ہو اور فوت ہونے والے کی اولاد کی کفالت اس کے ذمے ہو تو اس صورت میں باپ کی جگہ دادا کو چاہیے کہ وہ اپنے یتیم پوتے پوتیوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے کیونکہ مال پر اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں۔
خادموں کی طرف سے ان کے سرپرستوں پر صدقہ فطر واجب ہے جن کے ذمے خادموں کی کفالت ہو۔

۳۔ فطرہ ادا کرنے کا وقت

صدقہ فطر رمضان المبارک کا آخری روزہ مکمل ہونے کے بعد عید الفطر کی فجر طلوع ہونے پر واجب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک ختم ہونے پر عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے صدقہ فطر عید سے قبل یعنی پہلی شوال کی صبح صادق کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ صدقہ روزوں کی پاکیزگی کے لیے مقرر ہوا ہے اور اس عبادت کا تعلق عید کے دن سے ہے۔

صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کر دینا چاہیے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ اگر کوئی شخص عید سے پہلے کسی وجہ سے یا کاہلی کی بنا پر ادا نہ کر سکے تو نماز عید پڑھنے کے بعد ادا کر دے۔ اگر پھر بھی ادا نہ کر سکے تو بعد میں ادا کر دے کیونکہ صدقہ فطر واجب ہے اس لیے ادا نہ کرنے سے ساقط نہ ہوگا۔ تو پھر عمر بھر میں کسی وقت بھی ادا کر دے۔ لیکن نماز عید سے قبل ادا کرنا مسنون ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صدقہ فطر نماز سے پہلے ادا کر دیا تو وہ خدا کے حضور مقبول ہے اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ کی طرح ہوگا۔

نادار اور غریبوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے عید سے پہلے ایک دو دن پہلے صدقہ فطر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاکہ غریب اور مساکین بھی اپنے کھانے پینے اور پہننے کا سامان آسانی سے خرید سکیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ عید کی خوشی میں شریک ہو سکیں۔ کیونکہ صدقہ فطر کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ عید سے قبل مستحق لوگوں کی مالی امداد ہو جائے تاکہ وہ بھی عید کے روز امیروں کو کھاتے پیتے دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں۔

جو شخص وجوب صدقہ سے پہلے فوت ہو جائے یا غنی سے فقیر ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب نہ ہوگا۔ ایسے ہی جو بچہ وجوب فطرہ کے وقت سے پہلے پیدا ہو اس پر فطرہ واجب ہوگا۔ البتہ جو بچہ عید کے روز طلوع فجر کے بعد پیدا ہو اس پر فطرہ لاگو نہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص طلوع فجر سے پہلے مسلمان ہو جائے یا دولت مند ہو جائے تو اس پر صدقہ فطرہ واجب ہوگا۔

۴۔ مقدارِ فطرہ

ہر شخص کی طرف سے صدقہ فطر کی مقدار گندم کی صورت یا آٹے کی صورت میں آدھا صاع ہے۔ جو اور کھجور کی صورت میں ایک صاع ہے۔ آدھا صاع موجودہ

پیمانے کے مطابق ۲ کلو ۹۶۰ گرام کے برابر ہے۔ مقدار فطرہ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِکُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِیْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْکٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے رمضان کے آخر میں فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ یہ صدقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا جو یا آدھا صاع گندم ہر آزاد یا غلام، مرد یا عورت، چھوٹے بڑے پر لازم قرار دیا۔

حضرت امام اعظمؒ نے اس حدیث کے مطابق بیان کیا ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع گندم یا آٹا یا ستو ہے۔ دیگر اشیاء یعنی جو، کھجور، پنیر اور خشک انگور منقیٰ کی مقدار ایک صاع ہے۔ اگر گندم کے علاوہ کوئی دوسرا غلہ یعنی چاول، مکئی باجرا یا چنا دینا ہو تو وہ گندم کی مقدار کی قیمت کے بقدر دیا جائے۔

صدقہ فطر میں غلہ بھی دیا جا سکتا ہے اور غلے کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ قیمت ادا کی جائے تاکہ لینے والے کو آسانی رہے۔

گیہوں اور جو دینے سے ان کا آٹا دینا افضل ہے اور اس سے افضل یہ کہ قیمت دیدے خواہ گیہوں کی قیمت دے یا جو کی یا کھجور کی۔ مگر گرانی میں خود ان کا دینا قیمت دینے سے افضل ہے اور اگر خراب گیہوں یا جو کی قیمت دے تو اچھے کی قیمت سے جو کمی پڑے، پوری کرے۔ ان چار چیزوں کے علاوہ اگر کسی دوسری چیز سے فطرہ ادا کرنا چاہے مثلاً چاول، باجرہ اور کوئی غلہ یا اور کوئی چیز دینا چاہے تو قیمت کا لحاظ کرنا ہوگا یعنی وہ چیز آدھے صاع گیہوں یا ایک صاع جو کی قیمت کی ہو۔ یہاں تک کہ روٹی دیں تو اس میں بھی قیمت کا لحاظ کیا جائے گا اگرچہ گیہوں یا جو کی ہو۔

مصارفِ فطرہ

صدقۂ فطر محتاجوں، غریبوں، ناداروں کو تقسیم کرنا چاہیے جن کے پاس اتنے اسباب نہ ہوں کہ وہ عید کی خوشی میں شامل ہو سکتے ہوں۔ اکثر اہلِ علم کا خیال ہے کہ فطرہ کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ لیکن ان آٹھ مصارفوں میں سے عاملین زکوٰۃ مؤلفۃ القلوب، فی الرقاب اور فی سبیل اللہ کے مصارف مبرا ہیں یعنی ان پر فطرہ کا مال خرچ نہیں کرنا چاہیے اور مصارف زکوٰۃ میں فقراء، مساکین، بیکس، مسافر اور قرضدار کو دیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فطرہ دینے میں مساکین، فقراء کو ترجیح دی جائے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مصارفِ فطرہ میں مساکین اور فقراء ہی کو فوقیت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت کے وقت اگر کسی دوسرے اصناف میں سے کسی پر فطرہ خرچ کر دیا جائے تو وہ درست ہوگا۔

دشمنِ اسلام کافر کو یا مرتد کو یا فاسق کو یا غنی کو یا باپ بیٹے یا بیوی وغیرہ کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں کیونکہ انھیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

صدقۂ فطر اپنے گردو نواح کے مستحقین کو دینا افضل ہے۔ ایک شخص کا صدقہ فطر ایک فقیر کو دینا بھی درست ہے اور چند فقیروں کو دینا بھی درست ہے۔ ایسے ہی چند افراد کا صدقۂ فطر ایک آدمی کو دینا بھی درست ہے۔

رمضان المبارک کے فضائل و مسائل پر مکمل کتاب

احکامِ روزہ

عالم فقری

(ایم۔ اے اسلامیات)

زیر اہتمام

حاجی انور اختر

شبیر برادرز پبلشرز اُردو بازار۔ لاہور